ISSN
Online: 2709-3492
Print: 2709-3484
www.alulum.net

ششماہی

العلوم

مجلّہ علوم اسلامیہ (AUJIS)

جلد ۱، شمارہ ۱ (جنوری-جون ۲۰۲۰ء)

العلوم

AL-'ULŪM (AUJIS) 1 (1) (January-June 2020)

الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ

انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ بھیرہ، ضلع سرگودھا، پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

ششش ماہی

العلوم

مجلّہ علوم اسلامیہ

جلد:۱ شمارہ: ۱

جنوری- جون ۲۰۲۰

آئی ایس ایس این: پرنٹ: ۳۴۹۲-۲۷۰۹

آئی ایس ایس این: آن لائن: ۳۴۸۴-۲۷۰۹

الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ

انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ، بھیرہ، سرگودھا، پاکستان

قیمت اندرون ملک: 1000، بیرون ملک: 50ڈالر

Ph: +92-48-6690569/333-4441957

E-mail: editoralulum@gmail.com, Website: www.alulum.net

مجلس ادارت

سرپرست اعلیٰ	:	**پیر محمد امین الحسنات شاہ،** چیئرمین انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ، بھیرہ، ضلع سرگودھا، پاکستان
مدیر اعلیٰ	:	**ڈاکٹر ابوالحسن محمد شاہ الازہری،** چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ، بھیرہ
مدیر انتظامی	:	**محمد اجمل فاروق**
مدیر	:	**ڈاکٹر سید محمد عبدالرحمن شاہ،** ممبر بورڈ آف اسٹڈیز، الکرم انٹرنیشنل انسٹی،ٹیوٹ، بھیرہ
نائب مدیران	:	**ڈاکٹر نجم الدین کوکب ہاشمی** (اردو)
		محمد نعیم الدین الازھری (عربی)
		محمد عمر ربانی (انگلش)
		محمد ابوبکر صدیق، سجاد حسین (ٹیکنیکل)

مجلس مشاورت

بین الاقوامی

پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم (مصر)

پروفیسر ڈاکٹر نبیل فولی (ترکی)

ڈاکٹر مشرف حسین الازھری (انگلینڈ)

ڈاکٹر خوشتر نورانی (امریکہ)

ڈاکٹر محمد مدثر علی (قطر)

ڈاکٹر بصیر عبدالمغیث (مراکش)

پروفیسر سید لخت حسنین شاہ (انگلینڈ)

ڈاکٹر محمد داؤد صوفی (انڈیا)

قومی

پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق — پروفیسر ڈاکٹر ازکیا ہاشمی

پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب — پروفیسر ڈاکٹر محمد اعجاز

ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن — ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

ڈاکٹر عاطف اسلم راؤ — ڈاکٹر حافظ حفاظت اللہ

العلوم کا تعارف اور تحقیقی میدان

عصر حاضر میں مذہب اور علوم اسلامیہ کی اہمیت اور انسانی فکر کے ساتھ اس کا تعلق بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت سے دینی و سماجی، سیاسی اور روحانی مسائل ایک عام آدمی کی پہنچ سے دور ہیں۔ ایک عام آدمی کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات و اشکالات اور انسانیت کی مشکلوں کا یقینی حل وحی خداوندی اور شریعت مطہرہ میں مضمر ہے۔ اس صورتحال میں انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ بھیرہ نے ایک تحقیقی مجلہ **العلوم** شروع کیا ہے جس کا مقصد محققین کو ایسا میدان مہیا کرنا جس میں وہ جدید پیش آمدہ مسائل کا جامع حل، وقت کے تقاضوں کے مطابق، دینی اور فقہی افکار کی روشنی میں پیش کر سکیں۔

العلوم میں شائع ہونے والے مقالات کی جہتیں؛ قرآن، حدیث، سیرت، اسلامی تہذیب و تمدن، علم الکلام، تصوف، فلسفہ، انسانی حقوق، اقلیتوں کے حقوق، سائنس اور مذہب، اسلامی معاشیات و عمرانیات، سیاسیات و اخلاقیات، ثقافت و تمدن، مذہبی نفسیات، تقابل ادیان و افکار، استشراق، اسلام اور جدید مغربی تہذیب و تمدن، بین المذاہب مکالمہ و بین المذاہب ہم آہنگی، وغیرہ، کے موضوعات پر مقالات اور دیگر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ و تعارف) وغیرہ سے متعلق ہو سکتے ہیں۔

العلوم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ علماء کے تحقیقاتی دائرہ کار کو دین کے فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی مسائل کے حل کے لیے پرکھے۔ مجلہ کا دوسرا بنیادی مقصد عالمی سطح پر دین کی اہمیت کو سمجھنا ہے تاکہ مختلف قسم کے تنقیدی اور تحلیلی مناہج استعمال کرتے ہوئے مذہبی تعلیمات اور ان کے مظاہر کو جانا اور سمجھا جا سکے۔

مزید یہ کہ **العلوم** معاشرے کے معاصر مسائل کو سماجی، سیاسی، معاشی فریم ورک میں سائنسی طریقے سے بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے ان مسائل کا مناسب حل تلاش کیا جا سکے۔

یہ تحقیقی مجلہ مقامی اور بین الاقوامی محققین کے درمیان رابطے کا کردار ادا کرنا چاہتا ہے تاکہ اس وقت انسانیت کو درپیش گوناں گوں مسائل کا مذہبی اور علمی بنیادوں پر پائیدار و جامع حل تلاش کیا جا سکے۔

العلوم کی ادارتی پالیسی

العلوم اسلامی علوم و فنون سے وابستہ خالصتاً تحقیقی مجلہ ہے، جو علم و تحقیق کے حوالے سے نمایاں نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مقالات کے متعلق ادارتی پالیسی حسب ذیل ہے:

- العلوم کی اشاعت کے سلسلہ میں ہایئر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے جملہ قواعد و ضوابط لاگو ہوں گے۔

- **العلوم** ششماہی مجلہ ہے یعنی سال میں دو مرتبہ (جون اور دسمبر میں) شائع ہوتا ہے۔
- **العلوم** میں اشاعت کی غرض سے بھیجے گئے مقالات کا تجزیہ دو منظور شدہ ماہرین سے کروایا جاتا ہے۔ جس میں ایک تجزیہ کار ملکی اور ایک غیر ملکی ہوتے ہیں۔
- **العلوم** میں مقالہ کی اشاعت کے حوالے سے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔
- مجلس ادارت کو ارسال کیے گئے مقالات میں ضروری ترمیم، تنسیخ اور تلخیص کا حق حاصل ہوگا۔ ادارہ مقالہ نگاروں کو تجزیہ کاروں کی رائے نیز مقالہ میں مطلوب کسی تبدیلی سے متعلق آگاہ کرنے کا پابند ہوگا۔
- **العلوم** میں اشاعت کے لئے بھیجے گئے مقالہ جات اسلام اور پاکستان کی نظریاتی حدود کے موافق اور مسلمہ اُصولوں کے مطابق ہونے چاہیں۔
- ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مقالہ میں دی گئی رائے کی ذمہ داری **العلوم**، مجلس ادارت یا انجمن تعلیم المسلمین بھیرہ، پر نہیں، بلکہ مقالہ نگار پر ہوگی۔ البتہ **العلوم** اخلاقی اور قانونی حدود کے اندر رہتے ہوے آزادی اظہارِ رائے کا حامی ہے۔
- موصول ہونے والے مقالات (شائع ہونے یا نہ ہونے) کی صورت میں واپس نہیں کیے جائیں گے۔
- تمام شائع شدہ مقالہ جات ادارے کی ملکیت ہیں البتہ محققین تحقیقی مقاصد کے لئے حوالہ کے ساتھ اقتباس کی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں۔
- Plagiarism (علمی سرقہ) کے حوالے سے **العلوم** HEC کی پالیسی پر سختی سے کاربند ہے۔

اشاعت مقالہ کے قواعد وضوابط

عمومی قواعد

- مقالہ تخلیقی اور طبع زاد ہو، کسی اور جگہ شائع شدہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اور جگہ اشاعت کے لئے دیا گیا ہو، اور کسی بھی قسم کے علمی سرقہ اور چربہ سے پاک ہو۔
- تحقیقی مقالہ **العلوم** کے تحقیقی میدان کے اندر ہونا چاہیے۔
- مقالہ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں لکھا جاسکتا ہے۔
- مقالہ تحقیق کے اصولوں کے عین مطابق اور بنیادی مصادر کے حوالوں سے مزین ہونا چاہئے۔
- املاء وانشاء اور زبان دانی کے بنیادی رموز اور قواعد کا التزام ضروری ہے۔

- مزید معلومات کے لیے مجلہ کی ویب سائٹ www.alulum.net وزٹ کریں۔

ترتیب وتدوین کے قواعد

- مقالہ ایم ایس ورڈ کے اے فور سائز صفحے کی ایک طرف کمپوز شدہ ہو جو بشمول حوالہ جات و حواشی پندرہ سے پچیس صفحات پر مشتمل ہو۔
- مقالہ کے شروع میں (250) الفاظ پر مبنی انگریزی زبان میں خلاصہ (Abstract) لازمی تحریر کریں جس کے ساتھ پانچ کلیدی الفاظ (Keywords) شامل ہوں۔
- مقالہ کے آخر پر حاصل بحث، نتائج اور سفارشات جامع انداز میں تحریر ہونی چاہییں۔
- کمپوزنگ کے سلسلے میں درج ذیل فانٹس کا خیال رکھا جائے:

(i) مقالہ کے متن میں فاصلہ یک سطری، اردو کے لئے فونٹ سٹائل: جمیل نوری نستعلیق، عربی عبارات اور عربی مقالے کے عمومی متن کے لئے فونٹ سٹائل "لوٹس لینوٹائپ" ہونا چاہیے۔

(ii) قرانی آیات کے لئے فونٹ سٹائل "القلم" ہونا لازمی ہے۔(**العلوم** کی ویب سائٹ پر فونٹس پر کلک کر کے انہیں ڈاؤنلوڈ کرنے کا آپشن موجود ہے)۔

(iii) مقالے کے متن کے لیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:14، انگلش:12)

فصل یا مبحث کے لیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:16، انگلش:14)

جبکہ ذیلی فصول کے لیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:14 بولڈ، انگلش:12 بولڈ)

حواشی کیلیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:12، انگلش:10)

- اگر کسی مقالے میں نقشہ جات، خاکے اور فہرستیں ہوں تو وہ متن کے اندر موزوں مقام پر دی جائیں، ساتھ اس کی نمبر شماری کر دی جائے جسے آخر میں فہرست کے طور پر بھی ذکر کیا جائے۔
- مقالہ کے حواشی و حوالہ جات کے لئے شکاگو مینوئل اسٹائل (ایڈیشن 16) کو پیش نظر رکھا جائے۔
- انگریزی میں اردو اور عربی کے کلمات استعمال کرنے ہوں تو "ٹرانسلٹریشن جدول" کو پیش نظر رکھا جائے۔ جو **العلوم** کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔
- تمام حوالہ جات مقالہ کے فٹ نوٹس میں موجود ہوں۔ اور مقالہ کے آخر میں "مصادر و مراجع" کی جامع فہرست دی جائے۔ جب کہ اردو اور عربی کے مقالات کے آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست رومن انگریزی میں ٹِک اینٹیکا کے فونٹ اور مکمل ٹرانسلٹریشن کے ساتھ مرتب کی جائے۔

حوالہ جات کے لیے قواعد وضوابط

بھیجی جانے والی تحریروں میں حوالہ جات اور اقتباسات وغیرہ کے سلسلے میں **العلوم** کے طرز کو اختیار کیا جائے جو بنیادی طور پر شکاگو مینویل اسٹائل پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اُسلوب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

قرآن حکیم کے حوالے کے لیے مثال: القرآن ۳:۱۱۳ (ترجمہ کے ماخذ کا بھی ذکر کیا جائے)۔

حدیث کے حوالے کے لیے مثال: محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الذبائح والصید، باب أکل کل ذي ناب من السباع (ریاض: دار السلام، 1417ھ)، رقم: 5530۔

مستقل کتاب کا حوالہ: ابو بکر محمد بن احمد السرخسی، **أصول السرخسي** (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۳۵۰۔

دوبارہ حوالے کے لیے صرف مصنف کا مشہور (آخری) نام اور کتاب کا مختصر نام لکھا جائے، مثلاً: السرخسی، **أصول**، ۱: ۳۵۰۔

مدون شدہ کتاب کا حوالہ: خلیق احمد نظامی، مرتب، **شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات** (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۸ء)، ۵۲۔

مجلے کا حوالہ: محمد فیضان الرحمٰن، "احادیث نبویہ میں وارد حیوانات کا ترجمہ: ایک ناقدانہ جائزہ"، **فکر ونظر**، اسلام آباد، 51:2 (2013)، 47۔

انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ

CH. Pellat, "Hayawan," *The Encyclopedia of Islam*, eds. B. Lewis, V. L. Menage, CH. Pellat and J. Schacht, (Leiden: E. J. Brill, 1986), 3: 307.

ویب سائٹ کا حوالہ

"McDonald's Happy Meal Toy Safety Facts," McDonald's Corporation, accessed July 19, 2008,http://www.mcdonalds.com/corp/about/factsheets.html.

آن لائن مقالے کا حوالہ

American ",Gueorgi Kossinets and Duncan J. Watts, "Origins of Homophily in an Evolving Social Network .accessed February 28, 2010, doi:10.1086/599247 ,411 :(2009) 115 *Journal of Sociology*

تحقیقی مقالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہوناچاہیے

I. **ملخص**(Abstract)

مقالہ کے ملخص کے لیے انگریزی زبان میں بالاختصار مضمون کا خلاصہ تحریر کیا جائے جو کم از کم (200-250)الفاظ پر مشتمل ہو، نیز مقالے سے متعلق موضوع کی مناسبت سے پانچ کلیدی الفاظ (keywords)شامل کیے جائیں۔

II. **تعارف**(Introduction)

تحقیق کا مقصد، طریقہ کار، امتیازی خصائص اور مقالے کا تعارف مختصراً پیش کیا جائے۔

III. **دراسہ سابقہ**(Literature Review)

تحقیقی مقالہ میں دراسہ سابقہ کا انتظام ہوناضروری ہے۔

IV. **اسلوب تحقیق**(Research Methodology)

تحقیقی مقالہ میں اسلوب تحقیق کو تفصیل سے بیان کیاجائے۔

V. **بحث وتجزیہ**(Discussion& Analysis)

مقالہ کے اس حصے میں مقالہ نگار اپنی تحقیق سے متعلقہ مواد تفصیلاً پیش کرے گا اور اس کا سیر حاصل تجزیہ پیش کرے گا، جو کہ متوازن طور پر مباحث اور ذیلی مباحث میں تقسیم ہوناچاہیے۔

VI. **نتائج**(Conclusion)

مقالہ کے اختتام میں بحث کے نتائج منطقی ترتیب وتسلسل کے ساتھ پیش کریں۔

VII. **سفارشات**(Recommendations)

مقالہ کے اختتام میں بحث سے اخذ شدہ سفارشات منطقی ترتیب وتسلسل کے ساتھ پیش کریں۔

VIII. **مصادرومراجع** Bibliography

اردو اور عربی مقالات کے آخر میں(رومن انگلش میں)استعمال شدہ کتابیات کی جامع فہرست شکاگو مینوئل آف سٹائل کے مطابق دی جائے۔ جب کہ انگلش مقالات میں مصادر و مراجع کی فہرست انگلش میں دی جائے۔(مصنف ومؤلف کے نام کو اسی ترتیب سے لکھاجائے جس ترتیب سے فٹ نوٹ میں لکھاجاتا ہے)

- تمام مقالہ جات درج ذیل ای میل ایڈریس پر مقررہ تاریخ کے اندر ارسال کیے جائیں ۔
editoralulum@gmail.com

اِداریہ

ابتدائے آفرینش ہو یا رسالت محمدی کا پہلا پیغام، ہر دو میں ﴿ وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ (القران ۲:۳۲)اور ﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴾ (القران ۹۶:۱) کی صورت میں علم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قران مجید جہاں عقل و خرد کو لذت و جستجو بخشتا ہے وہیں قلب و روح کو بھی شوقِ فراواں سے مالا مال کرتا ہے۔اس کی تعلیم نے انسان کو خود شناس بھی بنایا اور خدا شناس بھی۔ علم و حکمت اس کتاب کا اعجاز ہے۔ قران مجید اپنے دامن میں علوم کے سمندر کو سمیٹے ہوئے ہے جس میں ہر دور کے محقق اپنی اپنی بساط کے مطابق غواصی کرتے ہوئے علم کے انمول موتی پاتے رہے اور دنیا ان کی رعنائیوں سے مسحور و مستفید ہوتی رہی۔ اسی ایک کتاب نے عرب و عجم کو علم و حکمت کے بحر بیکراں سے آشنا کیا پھر اسی میں غوطہ زنی کے ذریعے نئے علوم کی تخلیق و تدوین سے واقفیت کی نعمت بخشی۔ ایسی صورت میں تفکر و تدبر کے سارے زاویے، سماج کو اپنے خالق و مالک کی پہچان کے طرف لے کر گئے، جس سے امت مسلمہ کی ترقی کی راہیں بارگاہ صمدیّت سے صراطِ مستقیم کی بھیک لے کر پروان چڑھتی رہیں۔ اس الوہی تربیت نے انسان کو جہاں پہلے علوم سے متعلق درست آگاہی عطا کی، وہاں اس نے بے شمار جدید علوم کی تشکیل کا سامان بھی فراہم کیا۔

عصرِ حاضر میں بھی ترقی و کامرانی کے لئے اسلامی علوم کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔ انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ بھیرہ کا مقصدِ وحید بھی معاشرتی بہبود کے ساتھ ساتھ، عصری تقاضوں کے مطابق، اسلامی علوم کی ترویج ہے۔ چنانچہ اس علمی اور فلاحی تحریک نے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جہاں دیگر کارہائے نمایاں سرانجام دیے، وہاں الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ مزید برآں محققین کی علمی کاوشوں کو متلاشیانِ علم و عرفان تک پہنچانے کے لئے اس عظیم پلیٹ فارم سے ششماہی علمی و تحقیقی مجلّہ **العلوم** کا اجراء کیا جارہا ہے اور جس کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ اس کا اولین مقصد ایسے اہم موضوعات پر تحقیقی تحریر کی حوصلہ افزائی کرنا ہے اس سلسلہ میں آپ کی رہنمائی **العلوم** کے تحقیقی معیار کو مزید بہتر بنانے میں "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ" کا مصداق ہو گی

العلوم اسلامی علوم جیسے تفسیر، حدیث، فقہ و قانون، تاریخ، تصوف، اخلاقیات، سیاست، معیشت، معاشرت اور سماجی علوم میں اسلامی نقطۂ نظر سے طبع زاد تحقیقی کاوشوں کو شائع کرنے کے لیے ایک مؤثر مجلّہ ہے۔

العلوم موجودہ زمانے کے فکری جمود کو توڑتے ہوئے جہالت ، نیچریت، مادیت، سرمایہ داریت اور الحادی افکار کی بادِ سموم کے مقابل اسلامی فکر کی بادِ نسیم کا تازہ جھونکا بن کر قلوب و اذہان کو معطر کرے گا۔ **العلوم** پوری دنیا میں اسلامی تحقیق سے وابستہ افراد کے عظیم علمی و تحقیقی سرمائے کو معاشرے تک پہنچانے کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرے گا، الحمد للہ ہمارے تحقیقی منہج کی بنیاد قرآن مجید ہے جس کی آفاقی عظمت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ **العلوم** اس عظیم تحقیقی منہج کے احیاء میں اہم کردار ادا کرنے کا خواہاں ہے۔ فی زمانہ مختلف شعبہ جات میں تعلیم و تحقیق کی ترویج میں تحقیقی مجلات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مملکتِ خداداد پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی ادارے، ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) نے تعلیمی اداروں کے تحقیقی معیار کو جانچنے کے لئے دیگر بہت سے امور کے ساتھ ساتھ تحقیقی مجلّات کو بھی اہم کسوٹی قرار دیا ہے اور اس کے لئے باقاعدہ اصول وضوابط مقرر کئے ہیں۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کی سفارشات کے مطابق **العلوم** کی ویب سائیٹ www.alulum.net بھی لانچ کی جاچکی ہے جس پر مجلّے سے متعلق مزید تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے **العلوم** کو اب تک جتنے بھی تحقیقی مقالے موصول ہوئے اُن میں HEC کے طے کردوہ تحقیقی اصول و ضوابط کا خیال رکھا گیا ہے۔ بنیادی جانچ پڑتال کے بعد، اُن مقالات کا ہر دو ملکی و غیر ملکی (Internal and Foreign) سطح پر ریویو (Review) کروایا گیا۔ جن میں سے چند مقالات منتخب ہو کر اِس شمارے میں آپ کے سامنے ہیں۔ یہ مقالات محققین کی مختلف علمی و تحقیقی میدان میں جانفشانی و عرق ریزی کا نتیجہ ہیں۔ **العلوم** کا معیار اور موجودہ شمارہ "ہائر ایجوکیشن کمیشن" کی سفارشات کے عین مطابق مرتب کیا گیا ہے اور اس کی تدوین میں علمی و تحقیقی معیار کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ انسان خطا کے امکان سے مبرّا نہیں ہے لہذا ہم بہتر سے بہترین کے اس سفر میں آپ کو ہم رکاب رکھنا چاہتے ہیں، امید ہے اس تحقیقی سلسلے میں آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے ۔

علمی و تحقیقی مجلّہ، **العلوم** اسلامی علوم کی تمام جہات پر تین زبانوں؛ اردو، انگریزی اور عربی میں مقالات شائع کرنے اور بین الاقوامی سطح پر علمی مجلّات میں بہتر مقام پیدا کرنے میں پُر عزم ہے۔ بارگاہِ صمدیت میں بتوسط خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دست بہ دعا ہیں کہ یہ علمی و تحقیقی مجلہ مے کدہِ علم و عرفان کے بادہ خواروں کو سیراب کرتے ہوئے اپنے عظیم مقصد میں کامیاب وکامران ہو۔

آمین بجاہ النبی الکریم الامین ﷺ

مدیر اعلیٰ

شرکاء مقالہ نگار

اصغر علی خان	(پی ایچ ڈی)، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، میرپور یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، میرپور آزاد کشمیر
عابد الحسن	(ایم۔فل ریسرچ اسکالر)، میرپور یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، میرپور آزاد کشمیر
ضیاء الرحمن	(ایم۔فل ریسرچ اسکالر) یونی ورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ
عبد الحق	منتظم جامعہ فیض الحرمین، کوئٹہ
صاحبزادہ باز محمد	(پی ایچ ڈی)، چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونی ورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ
اللہ دتہ	لیکچرر فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، ملتان
محمد وارث علی	(پی ایچ ڈی)، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور
محمد اشفاق	(پی ایچ ڈی اسکالر)، شعبہ علوم اسلامیہ، ہائی ٹیک یونی ورسٹی، ٹیکسلا
فوزیہ الطاف	(پی ایچ ڈی اسکالر)، شعبہ علوم اسلامیہ، ہائی ٹیک یونی ورسٹی، ٹیکسلا
رضوان یونس	(پی ایچ ڈی) لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، یونی ورسٹی آف گجرات، پاکستان
عبد اللہ نائیجیری	(پی ایچ ڈی)، کلیہ شریعہ و قانون، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد
محمد ذوالقرنین	(پی ایچ ڈی) شعبہ عقیدہ و فلسفہ، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد
نبیل فولی محمد	(پی ایچ ڈی)، پروفیسر، کلیہ علوم اسلامیہ، سلطان محمد الفاتح یونیوسٹی، استنبول، ترکی
ویسکو فریزونی	(پی ایچ ڈی)، پروفیسر (اسلامی قانون) یونی ورسٹی آف نیپلس، ایل اورینٹل، اٹلی

﴿اردو مقالات﴾

- قرآن میں "العزم" کا مفہوم اور اس کے عصری تقاضے 1
- علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر الإکلیل فی استنباط التنزیل کی روشنی میں سورۃ النمل کے مخصوص مضامین کا فقہی جائزہ 25
- لسانی جارحیت کا تعارف اور اس کا تدارک: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ 46
- قرونِ وسطیٰ اور دورِ جدید کی خواتین کا دعوتی کردار: تجزیاتی و تقابلی مطالعہ 70

﴿عربی مقالات﴾

- التعارض بين الأحاديث النبوية ودفعه على منهج الحنفية (دراسة تطبيقية على المسائل الفقهية في ضوء كتاب "بدائع الصنائع" للكاساني) 96
- استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين وحكمه (دراسة تحليلية فقهية) 128

﴿انگلش مقالات﴾

- Philosophical and Spiritual Experience of Ultimate Reality Analyzing al-Ghazali’s Methodology with reference to Contemporary Religious Research Paradigm 1-13
- The School Education of Muslim Children in Europe, A Review of Comparative Perspectives 14-25

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(2), 01-24

قرآن میں ”العزم“ کا مفہوم اوراس کے عصری تقاضے

The Concept of "*al-'Azm*" in the Holy *Qur'ān* and its Contemporary Needs

Asghar Ali Khan*[1], Abid ul Hassan **

*Assistant Professor, Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur, AJK.

**Mphil Scholar, Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur, AJK.

Keywords

Al-Qur'ān; al-'azm; Determination; Motivation; Integrity

Abstract: *Islam is a complete code of life which presents a comprehensive guide to live as a Muslim. Islam encourages the human being to exercise his will in accordance with the divine teachings of Allah that were communicated through His sacred Prophets. However, many people ignore the teachings of Islam and endeavor to achieve their desires through fair or foul means which creates an imbalance in their lives. In this study, a clear message has been communicated particularly to the Muslims that obeying the laws as stipulated in the Holy Qur'an allow one to live a good life. The Holy Qur'an encourages people that when they decide to do something good then do it with full dedication. The lives of all the Prophets show their determination to achieve their goals. Allah (the almighty) taught His beloved Prophet Muhammad (PBUH), when you make al-'azm (strong determination) then trust in Allah Almighty. This study encompasses nine selected verses from the Holy Qur'an to elaborate the concept of al-'azm and other similar concepts. I have also searched into various exegesis of the Qur'an to further explore al-'azm. On the basis of this study, it has been concluded that al-'azm is understood to be a concentrated effort or strong determination to achieve a goal with clear objectives based on the Holy Qur'an. Al-'Azm also acts as motivator to accomplish the task with integrity and trustworthiness.*

Khan, A. A., and Hassan, A. (2019). The Concept of "al-'Azm" in the Holy Qur'an and its Contemporary Needs. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 1-24.

© 2020 AUJIS. All rights reserved

[1.] Corresponding Author: Email: asghar111@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

قرآن کریم بنی نوع انسان کے لیے رہنمائی و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ انسان پر منحصر ہے کہ وہ ہدایت حاصل کر کے کس طرح فلاح و بہبود کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ کسی بھی عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عزم و ہمت اور جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ حسنہ پر نظر دوڑائی جائے تو مکہ کے کٹھن ماحول میں یہی جذبہ وعزم ملتا ہے، جس کے سامنے اہلِ عرب نے سر تسلیم خم کر دیے۔

قرآن کریم میں لفظ "عزم" بہت سے مقامات پر مختلف مفاہیم میں آیا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ان تمام صیغ اور ان کے مفاہیم پر سیر حاصل گفتگو کی جائے گی۔ اس موضوع پر کوئی خاص کتاب یا تحقیقی مواد نظر سے نہیں گذرا، البتہ مفسرین کے ہاں، مختلف تفاسیر میں، یہ مواد بکھرا پڑا ہے۔ اس مقالہ میں منتشر مواد کو یکجا کر کے بیانیہ انداز میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

"العزم" کی لغوی تعریف

"عزم" کا مادہ "ع ز م" ہے۔ اس کی جمع "عزائم" ہے۔ قاموس میں عزم کے معنی کوشش اور ارادہ کے ہیں۔ "عَزَمَ على الأَمْرِ يَعْزِمُ عَزْماً،تعَزَّمَ: أرادَ فِعلَهُ، وقَطَعَ عليه، أوْ جَدَّ في الأَمْرِ"[1] (کسی کام پر عزم کیا۔ یعنی اُس کا ارادہ کیا، اُس پر فیصلہ کر لیا یا کام میں انتہائی کوشش کی۔) ابن منظور نے عزم کا معنی ارادہ کیا ہے۔ "العَزْمُ: الجِدُّ. عَزَمَ عَلَى الأَمر أَراد فِعْلَه. وَقَالَ اللَّيْثُ: العَزْمُ مَا عَقَد عَلَيْهِ قَلْبُك مِنْ أَمْرٍ أَنَّكَ فاعِلُه"[2] (عزم کا مطلب کوشش کرنا ہے۔ اُس نے کام کرنے کا عزم کیا۔ لیث نے کہا: کسی بھی کام کے کرنے کا تیر اپکا ارادہ ہو اور تو اُس کو کر بھی لے یہی عزم ہے۔)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت، جس میں عزم کا ذکر کیا گیا ہے۔

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لأَبِي بَكْرٍ مَتى تُوتِرُ؟ فَقَالَ: أَوَّلَ الليلِ، وَقَالَ لِعُمَرَ: مَتَى تُوتِرُ؟ قَالَ: مِن آخرِ الليلِ، فَقَالَ لأَبِي بَكرٍ: أَخَذْتَ

1 – محمد بن یعقوب فیروزآبادی، القاموس المحیط (بیروت: مکتبہ تحقیق التراث، ۲۰۰۵ء)، ۱۱۳۷۔

2 – ابن منظور محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ھ)، ۱۲: ۳۹۹۔

بالحَزْمِ، وَقَالَ لِعُمَر: أَخَذْتَ بالعَزْمِ."[3]

(نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ وتر کب ادا کرتے ہیں؟ انہوں نے عرض کی: اول رات میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ وتر کب ادا کرتے ہیں؟ عرض کی: آخر رات میں۔ تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے احتیاط والا پہلو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے عزم پر عمل کیا ہے۔)

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مراد بغیر تردد کے ارادہ کی پختگی لکھا ہے "العزم: جزم الإرادة بغير تردد"[4] (غیر شک کے ارادہ کی پختگی، عزم ہے۔ عزم کے مقابلے میں تردد، اضطراب، فتور کے الفاظ آتے ہیں۔)

"العزم" کی اصطلاحی تعریف

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے عزم کی تعریف اس طرح سے کی ہے "وأصل العزم اعتقاد القلب على الشيء"[5] (عزم کی اصل کسی چیز پر دل کا پختہ ارادہ ہے۔) ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عزم کا معنی لکھا ہے "وأصل العزم النيّة واعتقاد القلب على الشيء."[6] (عزم کی اصل نیت اور کسی چیز پر دل کا پختہ ارادہ ہے۔)

عزم کے مترادفات

۱۔ الهم

"الهم: هو عقد القلب على فعل شيء قبل أن يفعل، من خير أو شر"[7] ("همٌّ" سے مراد کسی اچھے یا برے کام کے کرنے سے قبل، دل کا ارادہ ہے۔)

---

3 – ابو داؤد سلیمان بن اشعث، السنن، كتاب الصلاة، باب فی الوتر قبل النوم (بیروت: المكتبة العصرية، س ن)، رقم: ۱۴۳۴۔

4 – علی بن محمد جرجانی، كتاب التعريفات (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۳ء)، ۱۶۰۔

5 – محمد بن جریر طبری، جامع البيان فی تأويل القرآن، (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰ء)، ۱۸: ۳۸۳۔

6 – احمد بن محمد ثعلبی، الكشف والبيان عن تفسير القرآن، (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۲۰۰۲ء)، ۶: ۲۶۲۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:﴿ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ ﴾[8] (جب ایک قوم نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھانے (جنگ مسلط کرنے) کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔) مشارق الانوار میں "ھم" کا معنی لکھا ہے "إذا هم أحدكم بِأَمْر أَي قَصده وَاعْتَمدهُ بهمته وَهُوَ بِمَعْنى عزم"[9] (جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے یعنی اُس کا قصد کرے اور اپنی ہمت کے ساتھ اس پر پختہ اعتماد کرے تو یہ عزم کا معنی ہے۔)

"العزم" اور "الھم" میں فرق

"ھَم" یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ترجیحاً کام کرنا چاہتا ہو لیکن کسی حد تک نہ کرنے کا ارادہ بھی ہو۔ اس کے دل میں پیدا ہونے پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ اس میں جانب مخالف کی بھی کسی حد تک گنجائش ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کسی کام کا پختہ ارادہ، عزم کہلاتا ہے۔ اس میں جانب مخالف کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۲- الاصرار

اصرار کا معنی بھی عزم و ارادہ ہے، جیسا کہ احمد الفارس نے لکھا ہے: "الْإِصْرَارُ: الْعَزْمُ عَلَى الشَّيْءِ"[10] (اصرار کا معنی کسی شئے کا عزم کرنا ہے۔) اسی سے اردو زبان میں لفظ مصر بھی مستعمل ہے، جس کا مطلب کسی معاملے میں ڈٹ جانا ہے۔

۳- الحزم

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التعریفات میں لکھا ہے: "الحزم: أخذ الأمور بالاتفاق"[11] (جمہور کے نزدیک طے شدہ منصوبے اور احتیاط کے ساتھ کاموں کو سرانجام دینا حزم کہلاتا ہے۔)

---

7 – جرجانی، كتاب التعريفات، ۲۵۷۔

8 – القرآن ۵:۱۱۔

9– عیاض بن موسیٰ، مشارق الأنوار على صحاح الآثار (بیروت: المكتبة العتيقة، س ن)، ۲:۲۷۰۔

10 – أحمد بن فارس، معجم مقاييس اللغة (بیروت: دار الفكر، ۱۹۷۹ء)، ۳:۲۸۲۔

مقاییس اللغۃ میں ہے "فَالْحَزْمُ: جَوْدَةُ الرَّأْيِ" [12] (رائے کی پختگی حزم ہے۔)

"العزم" اور "الحزم" میں فرق

امام قرطبی ؒ نے دونوں کا فرق بیان کیا ہے: "فَالْحَزْمُ جَوْدَةُ النَّظَرِ فِي الْأَمْرِ وَتَنْقِيحُهُ وَالْحَذَرُ مِنَ الْخَطَأِ فِيهِ. وَالْعَزْمُ قَصْدُ الْإِمْضَاءِ." [13] (معاملے کی اچھائی میں خوب غور و فکر کرنا اور اس میں غلطی سے بچنا حزم ہے۔ اُس کو کر گزرنا عزم ہے۔)

۴- الھمۃ

کتاب التعریفات میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: "الهمة: توجه القلب وقصده بجميع قواه الروحانية إلى جانب الحق؛ لحصول الكمال له أو لغيره" [14] (حصول کمال کے لیے تمام روحانی طاقتوں کے ساتھ دل کا متوجہ ہونا ''ھمۃ'' کہلاتا ہے۔)

۵- الإرادة

ارادہ بھی عزم کے قریب ترین معنوں میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ علامہ جرجانی ؒ لکھا ہے:

''الإرادة صفة توجب للحي حالًا يقع منه الفعل على وجهٍ دون وجه، وفي الحقيقة: هي ما لا يتعلق دائمًا إلا بالمعدوم فإنها صفة تخصص أمرًا لحصوله ووجوده، كما قال الله تعالى: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ''. [15]

---

11 – جرجانی، کتاب التعریفات، ۸۶۔

12 – فارس، مقاییس اللغۃ، ۲:۵۳۔

13 – محمد بن احمد قرطبی، الجامع لأحكام القرآن (قاہرۃ: دار الکتب المصریہ، س ۱۹۶۴ء) ۴:۲۶۲۔

14 – جرجانی، کتاب التعریفات، ۲۵۷۔

15 – نفس مرجع۔

(زندہ کے لیے ارادہ ایسی صفت ہے جس کے سبب فعل صادر ہوتا ہے، حقیقت میں اس کا تعلق معدوم (جو موجود نہ ہو) چیز سے ہے۔ یہ صفت کسی کام کے حصول اور وجود کو مخصوص کرتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک یہ اُس کا امر ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے: "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔)

۶- المشيئة

لفظ مشیئة بھی چاہنے اور ارادہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، محمد بن ابی الفتح لکھتے ہیں: "معنى المشيئة الإرادة" [16] (مشیت سے مراد ارادہ ہے۔) اسی سے کلمہ ان شاء اللہ بھی مستعمل ہے جو کہ اللہ تعالی کی مشیٔت اور ارادہ کو ظاہر کرتا ہے۔

"العزم" اور" المشيئة" میں فرق

عزم کا تعلق ارادہ کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے وہ کام کرے یا نہ کرے۔ ارادہ کرنا اُس کا اپنا فعل ہوتا ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔ جب کہ مشیت کا تعلق دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔

۷- النِّية

نیت کا مطلب دل کے ارادہ کا ہونا ہے۔ جیسا کہ زبیدی نے لکھا ہے: "فإنّها عزمُ القَلْب وتَوَجُّهه وقَصْدُه إِلَى الشيءِ" [17] (بے شک نیت سے مراد یہ دل کی پختگی، اس کا متوجہ ہونا اور کسی چیز کی طرف قصد کرنا نیت ہے۔)

"العزم" اور "النية" میں فرق

نیت فعل کے کرنے سے پہلے ارادہ کا ہونا ہے۔ نیت کا مطلب بُعد (دوری) ہے۔ کیونکہ نیت اور اُس کی مراد میں دوری موجود ہوتی ہے۔ نیز اس کے لیے اقدام کرنے میں قطعی فائدہ بھی موجود نہیں ہوتا۔ عزم کام کے کرنے سے پہلے فوراً ہوتا ہے یا پہلے موجود ہوتا ہے۔

---

16 – محمد بن ابی الفتح، المطلع على ألفاظ المقنع (بیروت: مكتبة السوادى للتوزيع، ۲۰۰۳ء)، ۴۱۴۔

17 – محمد بن محمد زبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس (بیروت: دار الهداية، س ن)، ۱۳۹:۴۰۔

۸- الرأی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کے بارے میں پوچھا: ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾[18] (جو ارادہ کیا اس میں غور کرلو)۔ تفسیر مقاتل میں یہ معنی لکھے ہیں: "أراد إبراهيم أن يعلم ما عنده من العزم" [(19)] (ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے نفس میں جو عزم تھا اُس کو جاننے کا ارادہ کرلیا۔)

۹- الزَّمَع والزَّماع

"المضاء فِي الْأَمر، والعزم عَلَيْه" [(20)] (کام میں لگ جانا، اُس پر عزم کرلینا)۔ جب انسان کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اس کو بھی زمعٌ کہا جاتا ہے: "الزَّمَعُ: رِعْدَةٌ تَعْتَرِي الإِنسان إِذا هَمّ بأَمر." [(21)] (وہ کڑک (کپکپاہٹ) جو کسی کام کا ارادہ کرنے سے انسان پر طاری ہوتی ہے۔)

قرآن میں "العزم" کا ذکر اور اُس کے مقامات

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں تقریباً نو مقامات پر عزم کا ذکر فرمایا ہے۔ نیز ہر ایک کو الگ الگ معانی ومفاہیم بھی عطا کیے گئے، مندرجہ ذیل بحث میں بالترتیب آیات مذکور ہیں۔

۱- ایلا کرنے کے بعد بیوی کو طلاق دینے کی نیت رکھنا۔ ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[(22)] (ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی، پھر اگر

---

18 - القرآن ۳۷:۱۰۲۔

19 - مقاتل بن سلیمان، تفسير مقاتل بن سليمان (بیروت: دار إحياء التراث)، ۳:۶۲۵۔

20- علی بن اسماعیل، المحكم والمحيط الأعظم (بیروت: دار الكتب العلمية، س ۲۰۰۰ء)، ۱:۵۳۸۔

21 - ابن منظور، لسان العرب، ۸:۱۴۴۔

22 - القرآن ۲:۲۲۶۔

رجوع کر لیں (اس مدت میں) تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اگر پکا ارادہ کر لیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ کریم سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔)

۲۔ دورانِ عدت اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾[23] (پکی نہ کرلو نکاح کی گرہ، یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو۔)

۳۔ مشورہ کرنے کے بعد جب عزم کر لیا تو پھر اللہ پر توکل کا حکم دیا گیا: ﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾[24] (اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔)

۴۔ مال و جان کی آزمائش، تکالیف پر صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کو عزم امور میں سے کہا گیا ہے۔ ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[25] (یقیناً تم اپنے اموال اور جانوں سے آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم سن لو گے ان سے جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی اور ان سے جنھوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں، اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔)

۵۔ نماز قائم کرنا، اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنے کے بعد جو تکالیف اور آزمائشیں آئیں، ان پر صبر کرنا بھی عزم امور میں سے ہے۔ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[26] (میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔)

۶۔ شیطانی وسوسوں اور نفس کی پیروی سے رکنے کے لیے عزم ضروری ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ

23- القرآن ۲:۲۳۵۔
24- القرآن ۳:۱۵۹۔
25- القرآن ۳:۱۸۶۔
26- القرآن ۳۱:۱۷۔

عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾[27](اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا، اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اُس کا کوئی قصد۔)

۷۔ تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا، نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے روکا گیا ہے۔﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[28](اور جو شخص (ان مظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔)

۸۔ سابقہ انبیاء اور اُن کی دعوت الی اللہ کی مشکلات کو بیان فرما کر عزم پر اُبھارا گیا۔﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾[29](پس (اے محبوب) صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا، اور ان کے لیے (بد دعا کرنے میں) جلدی نہ کیجیے۔)

۹۔ اسلامی اخلاقیات پر کاربند رہتے ہوئے عزم کی ترغیب دی گئی ہے۔﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾[30](کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے، پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا)۔

قرآن کریم میں موجود عزم اور اُس کی حقیقت

قرآن کریم میں مندرجہ ذیل مفاہیم اور احکامات کے لیے عزم کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی تفصیل آنے والے صفحات میں بیان کی جارہی ہے:

۱۔ ایلاء اور طلاق کے درمیان عزم

ایلاء کا لغوی معنی "قسم اٹھانا" ہے۔ اسلام میں میاں اور بیوی ایک مضبوط بندھن میں آنے کے بعد اچھے تعلقات قائم نہ رکھ سکیں تو تادیباً، مرد کو عورت سے جدا ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ جدائی ایک

27- القرآن ۲۰:۱۱۵۔
28- القرآن ۴۲:۴۳۔
29- القرآن ۴۶:۳۵۔
30- القرآن ۴۷:۲۱۔

مدت، یعنی چار ماہ تک ہو سکتی ہے۔ مرد کو غیر محدود اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جب تک چاہے زمانہ جاہلیت کی طرح عورت کو چھوڑے رکھے اور جنسی اذیت پہنچاتا رہے۔ اسلام پر امن معاشرہ کی ترویج کو پسند کرتا ہے جس کے لیے میاں بیوی کے تعلقات کا بہترین ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز مرد کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے انداز میں پیش آؤ۔ اور اُس سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو۔ ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾[31] (اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں سے عمدگی سے، پھر اگر ناپسند کرو انہیں تو (صبر کرو)۔ شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیرِ کثیر۔)

ایلاء کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِس کے بعد ازدواجی زندگی پر سکون اور خوش افزائش گزرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایلاء فرمایا: "عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: آلَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ، وَكَانَتْ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ، فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ: إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ."[32] (انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی آپ ﷺ کے پاؤں کو موچ آگئی، آپ ﷺ کھانے پینے والے کمرہ میں اُنتیس ایام رہے پھر باہر تشریف لے آئے۔ (صحابہ نے) عرض کی آپ نے ایک ماہ کی قسم نہیں اٹھائی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! مہینہ اُنتیس ایام کا بھی ہوتا ہے۔)

قرآن مجید نے مسلمان مردوں کے لیے انتہائی عمدہ اور اَحسن اصول قائم کر دیا ہے تاکہ اگر وہ تادیباً اپنی بیوی سے الگ رہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مدت میں بیوی سے رجوع نہ کیا تو اُس کے فوراً بعد بیوی کو اختیار ہے کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔ اس لیے تمہیں بھی یہ لحاظ رکھنا ہے کہ کہیں تمہارا گھر ہی نہ اُجڑ جائے۔ دوسری طرف اگر مرد یہ عزم کر لے کہ وہ بیوی سے الگ ہی رہے گا اور اُسے طلاق دے گا تو ایلاء کے بعد

31- القرآن ۴:۱۹۔

32- محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب الصوم، بَابُ: إِذَا رَأَيْتُمُ الهِلاَلَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا (بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم: ۱۹۱۱۔

چار ماہ تک اُس سے جنسی تعلقات نہ رکھے۔ طلاق کا ارادہ ہے تو اللہ تعالی نے بتا دیا:﴿ وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴾[33] (اور اگر پکا ارادہ کر لیں طلاق کا تو بے شک اللہ تعالی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔)

دورِ جدید میں بھی اگر معاشرہ کی اصلاح کا ہونا ضروری ہے تو قرآن مجید کے ان اَٹل قوانین پر عمل کرنا اور معاشرتی زندگی میں ان کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ معاشرے کے بگاڑ کی وجہ، جلدبازی اور بغیر سوچ سمجھے، معاشرتی فیصلے سرانجام دیناہے۔ حالاں کہ اسلام اعتدال پسند دین ہے اور معتدل امور کو پسند فرماتا ہے۔

۲۔دورانِ عدت عورت سے نکاح کا عزم کرنا

اسلام ہر ایک انسان کی عزتِ نفس کا مکمل خیال رکھنے والا دین ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ کسی کی دل آزاری ہو اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج پیدا ہو جائے۔ اس لیے جب کوئی عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو تو اُس سے صراحۃً نکاح کرنے کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ غم و اندوہ کی ان گھڑیوں میں جب کہ ایک گھر بے چراغ ہو چکا ہے تمہارا جشنِ شادی منانے کی طرح ڈالنا کتنا معیوب ہے اور اس مرحوم کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ ابھی اس کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور اس کی بیوی کو شادی کا پیغام بھیجنے لگے ہو۔ ہاں پردہ داری سے اگر تم اپنے ارادہ کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[34]

اشارہ کنایہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنا جائز ہے، ہاں یہ بات عدت وفات میں تو کہی جا سکتی ہے لیکن عدتِ طلاق میں نہیں کی جا سکتی کیوں کہ اس سے عورت کے خاوند کے ساتھ عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں ہی رہے زبان پر نہ آئے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا عَرَّضۡتُمۡ بِهٖ مِنۡ خِطۡبَةِ النِّسَآءِ اَوۡ اَكۡنَنۡتُمۡ فِىۡٓ اَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ ﴾[35] (اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے)۔ جب اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم دے دیا کہ نکاح کی گرہ دورانِ عدت نہ باندھو۔ جو اس جرم کا ارتکاب کرے گا وہ بڑے جرم کا ارتکاب کرے گا۔ لیکن دورِ جدید میں جدت پسندی کو بنیاد بنا کر دورانِ نکاح ہی مختلف چالیں اختیار کر کے صرف اپنے ساتھ نکاح کرنے کے لیے طلاق کی راہیں ہموار کرائی جاتی ہیں۔ طلاق

33- القرآن ۲:۲۲۷۔

34- محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ۱:۱۶۳۔

35- القرآن ۲:۲۳۵۔

ہونے کے بعد مقصد ہی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا ہوتا ہے۔ جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کی مخالفت ہے۔اور ایک مرد کے حق کو غصب کرنا ہے۔جس سے معاشرہ بگاڑ اور تباہی و بربادی کی طرف جاتا نظر آتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز کرنا کھلی نافرمانی ہے﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾[36](یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی نہ آؤ۔)

۳۔ مشاورت کرنے کے بعد توکل پر عزم کرنا

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مشورہ کا معنی لکھتے ہیں"والتَّشَاوُرُ والْمُشَاوَرَةُ والْمَشُورَةُ: استخراج الرّأي بمراجعة البعض إلى البعض، من قولهم:شِرْتُ العسل: إذا اتّخذته من موضعه، واستخرجته منه ۔ والشُّورَى: الأمر الذي يُتَشَاوَرُ فيه."[37](مشاورت اور مشورہ کا معنی ہے بعض کا بعض کی طرف رجوع کر کے ان کی رائے کو حاصل کرنا،جب عرب والے کسی جگہ سے شہد کو نکالتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''شرتُ العسلَ'' جس امر میں مشورہ طلب کیا جائے اس کو "شوریٰ" کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾[38] (اور ان کے سارے کام باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں ۔)

مشورہ کے ذریعے مختلف آراء ظاہر ہوتی ہیں،اور مشورہ طلب کرنے والا ان مختلف آراء میں غور وفکر کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس کی رائے کتاب و سنت،حکمت اور موقع و محل کے مناسب ہے،جب اللہ اسے کسی رائے کی طرف ہدایت دے دے تو وہ اس رائے پر عمل کرنے کا عزم کرے اور اللہ پر توکل کر کے اس رائے کو نافذ کر دے۔[39]

---

36 – القران ۲:۱۸۷۔

37 – حسین بن محمد راغب اصفہانی،المفردات فی غریب القرآن(بیروت:دار القلم،۱۴۱۲ھ)،۴۷۰۔

38 – القران ۴۲:۳۸۔

39 – غلام رسول سعیدی، **تبیان القرآن**(لاہور:فرید بک سٹال،۲۰۰۹ء)،۲:۴۲۹۔

امام ابو عبداللہ القرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"قال ابن عطية:والشورى من قواعد الشريعة و عزائم الأحكام ومن لا يستشير أهل العلم والدين فعزله واجب"[40](مشورہ شریعت کے مسلمہ اُصولوں اور اہم ترین اَحکام سے ہے۔اور جو حاکم اہلِ علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خود رائی سے کام لیتا ہے اُسے معزُول کر دینا لازمی ہے۔)

اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

> "خُلفاء اور حُکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں عُلماء سے، جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرینِ حرب سے، عام فلاح و بہبُود کے کاموں میں سردارانِ قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وُزراء اور تجربہ کار عہدہ داروں سے مشورہ کریں۔"[41]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی عمل فرماتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہی فرماتے تھے۔علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"ما أمر الله نبيه بالمشاورة لحاجة منه الى رأيهم وانما أراد أن يعلمهم ما فى المشاورة من الفضل ولتقتدى به امته من بعده"[42](اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چال جائے نیز یہ کہ مشورہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بن جائے اور امت مسلمہ اس کی اقتداء اور اتباع کرے۔)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اسی بارے میں ایک روایت نقل کی ہے"إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَنِيًّا عَنِ الْمُشَاوَرَةِ، وَلَكِنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَسْتَنَّ بِذَلِكَ الْحُكَّامُ بَعْدَهُ"[43](بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ سے غنی ہیں لیکن یہ بعد والے حکام کے لیے اس کو سنت بنایا۔)

---

40 – قرطبی، الجامع، ۴:۲۴۴۔

41 – نفس مرجع۔

42 – نفس مرجع، ۴:۲۵۰۔

43 – احمد بن حسین بیہقی، السنن الکُبری، کتاب النكاح، باب ما أمرالله به من المشورة(بیروت:دار الكتب العلمية، ۲۰۰۳ء)، حدیث ۱۳۳۰۴۔

صحابہ سے مشورہ کرنے کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے: "تطیباً لنفوسهم و رفعا لأقدارهم"[44] (صحابہ کے دِلوں کو خوش کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا مقصود تھا) "عَنِ ابْنِ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ " لَوِ اجْتَمَعْتُمَا فِي مَشُورَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا"[45] (حضرت عبد الرحمن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔)

توکل کا مفہوم

توکل کا معنی ہے "ضامن ہونا، پناہ میں دینا، اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے۔[46]

توکل کے ان مفاہیم کو احادیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: "قَالَ: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ"[47] (جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل (ضامن) ہوا، میں اس کے لیے جنت کا متوکل (ضامن) ہوں۔) یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ ابو داؤد کی روایت کردہ حدیث پناہ کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ "فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ"[48] (مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر۔)

خوب غور و فکر، بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ کیا جائے اُس کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لینے کو عزم کہتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے میں لگ جانا عزم نہیں ہے۔ ایک بات طے کر لینے کے بعد پھر

---

44 – قرطبی، الجامع، ۴:۲۵۰۔

45۔ احمد بن حنبل، المسند، باب حدیث عبد الرحمن بن غنم الأشعری (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء)، حدیث ۱۷۹۹۴۔

46۔ مبارک بن محمد ابن اثیر، النهاية فی غريب الحديث والأثر (بیروت: المكتبة العلمية، ۱۹۷۹ء)، ۵:۲۲۱۔

47۔ بخاری، الجامع، حدیث ۶۴۷۴۔

48۔ ابو داؤد، السنن، حدیث ۵۰۹۰۔

تذبذب کا شکار ہو جانا پیغمبر کی شایانِ شان نہیں اور نہ مومن کو ایسا کرنا زیبا ہے کیونکہ اس سے دل میں کمزوری اور مزاج میں تلوّن پیدا ہو جاتا ہے۔[49]

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو پرزور انداز میں بیان فرمایا: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾[50] (اور جب آپ ارادہ کر لیں تو پھر توکل کرو اللہ پر بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔) جب ایک بات کو فیصلہ کر لیا اور اُس پر عزم کر لیا تو اُس بات سے پیچھے ہٹنا نہ نبی کا شیوہ ہے اور نہ مسلمانوں کی عادت ہے۔ فیصلہ کے بعد اللہ پر بھروسہ کر کے اس کو سرانجام دینا ہے۔ نتیجہ جو بھی ہو وہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی کوئی کام کیا جاتا ہے تو اُس سے پہلے اجلاس بلایا جاتا ہے اور اس میں جو متفقہ فیصلہ ہوتا ہے وہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہی مشورہ اور عزم ہے۔

۴۔ آزمائشوں پر صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کا عزم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے چاہنے والوں کے لیے واضح اعلان فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾[51] (ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک، اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو۔)

غم اور تکلیف کو بھی بلا کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی انسانی جسم کو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور اسے ختم کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو خوشیاں شکر کرنے کے لیے اور تکالیف صبر کرنے کے لیے دیتا ہے۔ امتحانات صبر کرنے کے لیے اور انعامات شکر کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ مال، جان، عزت میں آزمائش پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے مگر اللہ کے دین کے ساتھ دشمنی کو برداشت کرنا اور اس پر صبر کرنا بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔

مشرکین اور اہلِ کتاب نے اپنے ہاتھ سے بھی تکالیف دیں۔ طائف میں خون بہایا، مکہ میں جسم اطہر پر اوجھڑی ڈالی گئی، گلے میں چادریں ڈالیں گئیں۔ اسی طرح زبان سے جو تکالیف، ابو جہل کا پیچھے پھر پھر کے دیوانہ و مجنوں کہنا، شاعر کہنا، مدینہ میں آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا بھی انتہائی ناقابل

49۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ۲:۲۹۱۔

50۔ القران ۳:۱۵۹۔

51۔ القران ۲:۱۵۵۔

برداشت تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے سب پر صبر کے دامن کو ہاتھ نہ چھوٹنے دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا واضح پیغام موجود تھا: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[52] (تم آزمائے جاوگے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں اور یقینا تم سنوگے ان سے جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم ان پر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔)

مسلمانوں کو کچھ مصائب و مشکلات اور دنیا کی تنگی بھی پیش آجائے تو یہ کوئی تعجب کی بات ہے نہ غمگین ہونے کی، کیونکہ اس حقیقت سے کسی مذہب و مشرب والے کو اور کسی فلسفہ والے کو انکار نہیں ہو سکتا، کہ دنیا کی رنج و راحت دونوں چند روزہ ہیں، کوئی جاندار موت سے نہیں بچ سکتا، اور دنیا کی راحت و مصیبت اکثر تو دنیا ہی میں حالات بدل کر ختم ہو جاتی ہیں، اور بالفرض دنیا میں نہ بدلی تو موت پر سب کا خاتمہ ہو جانا یقینی ہے۔ عقل مند کا کام اس چند روزہ راحت و رنج کی فکر میں پڑے رہنا نہیں بلکہ مابعد الموت کی فکر کرنا ہے۔[53]

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾[54] (نہیں یکساں ہوئی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اُس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔)

مصائب و آلام کے بغیر زندگی اور دنیا کی ترقی ناپید ہے بلکہ کامیابی کے لیے اُن مصائب کے اوپر صبر کا عزم کرنا ایک ابتدائی عمل ہے۔

۵- اچھے کاموں کی انجام دہی پر عزم کرنا

اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اچھائی کا پرچار اور برائی سے روکنا بہت بڑا فریضہ ہے۔ دینِ حق کے احکامات پہنچانے میں تکالیف اور مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔ جن کو برداشت کرنا عزم امور میں سے ہے۔ مومن کی

52۔ القران ۳:۱۸۶۔

53 – مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن** (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، س ن)، ۲:۲۵۵۔

54 – القران ۴۱:۳۴۔

دو ذمہ داریاں ہیں۔اپنی ذات کی تکمیل اور دوسروں کی صلاحیتوں کی حتی الوسع نشو ونما۔اپنی ذات کی تکمیل کے لیے نماز کا حکم دیا،دوسروں کی تربیت اور تکمیل کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔[55]

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:"أَقِمِ الصَّلَاةَ تكميلا لنفسك وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ تكميلا لغيرك"[56](اپنے نفس کی تکمیل کے لیے نماز قائم کرو۔اور دوسرے کے (نفس) کی تکمیل کے لیے اچھائی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔)

اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جو شخص بھی نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے کا کام کرے گا اس پر مصائب کا نزول ناگزیر ہے لہٰذا اسے ہر قسم کی اذیتوں سے سابقہ پیش ہو کر رہتا ہے۔دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔اصلاحِ خلق کے لیے اٹھنا اور اس کی مشکلات کو پست انگیز کرنا کم ہمت لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ ان کاموں میں سے ہے جن کے لیے بڑا دل گردہ چاہیے۔[57]

صبر کا ایک معنی ہے،کسی کی موت،یا کسی نقصان یا کسی بیماری اور تکلیف کے وقت جزع،فزع اور رونے پیٹنے سے اپنے نفس کو روکنا یا حالت غضب اور جوشِ انتقام کے وقت اپنے نفس کو تجاوز اور حد سے بڑھنے سے روکنا،یا غلبہ شہوت کے وقت اپنے نفس کو فسق وفجور سے روکنا،اور اس کا جامع معنی یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے تمام منع کیے ہوئے کاموں سے روکنا۔[58]

اسی لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے،اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے بعد اس بات کی بھی نصیحت فرمائی کہ مشکلات کے لیے بھی تیار رہنا۔اگر ان مشکلات کو صبر سے برداشت کرلو تو یہ عزم امور میں سے ہے۔جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[59] (میرے پیارے بچے!نماز

---

55 – محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**،۳:۶۰۹۔

56 – محمود بن عبداللہ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القران العظیم والسبع المثانی(بیروت:دار الکتب العلمیة،۱۴۱۵ھ)،۱۱:۸۸۔

57 – ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**(لاہور:مکتبہ قدوسیہ،س ن)،۴:۱۷۔

58 – سعیدی، **تبیان القرآن**،۹:۲۶۷۔

59 – القران ۳۱:۱۷۔

صحیح صحیح ادا کیا کرو، نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو، اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔)

۶۔ آدم علیہ السلام کا معصیت پر عزم نہ کرنے کی تعریف کرنا

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کرنے کے باوجود شیطان نے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ جس سے انسان اور شیطان کی ازلی جنگ شروع ہو گئی۔

انسان کی سعادت و شقاوت کا انحصار اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہے۔ آج یہ کوئی نئی بات نہیں کی جارہی ہے کہ اس کی پیروی کرو گے تو گمراہی و بد بختی سے محفوظ رہو گے ورنہ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلائے مصیبت ہو گے۔[60] اگر انسان کوئی خطاء کر جائے لیکن عزم و ارادہ سے نہ کرے بلکہ اُس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ انسان کو معاف فرما دیتا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

> "حکم عدولی یقیناً ہو گئی لیکن نافرمانی کا قصد ہر گز نہ تھا۔ قصور بلاشبہ سرزد ہو گیا تھا لیکن قصور وار بن کر سامنے آنے کا ارادہ موجود نہ تھا۔ زبانِ قدرت نے خود عذر بیان کر دیا فرمایا ﴿ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴾ آدم علیہ السلام نے یہ غلطی دانستہ نہیں کی بلکہ بھولے سے بلا ارادہ یہ خطا ہو گئی۔"[61]

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ بالکل نہ تھا۔ بلکہ شیطان کی باتوں میں آکر، یہ عمل سرزد ہو گیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معافی بھی عطا فرمائی۔

۷۔ صبر کرنا اور دوسرے کی زیادتی کو معاف کر دینا

انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے کی طرف سے زیادتی ہونے پر صبر کا راستہ اختیار کرنے کا بہترین طریقہ بتایا ہے۔ ورنہ انتشار بڑھتا جائے گا اور صرف ایک فرد اس میں شامل نہیں ہو گا بلکہ پورا معاشرہ انتقام لینے کے فعل میں شامل ہو جائے گا۔ اور معاشرہ بگاڑ کی طرف چلا جائے گا۔ لیکن جو صبر کر گیا اُس نے عزم کو پا لیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت " وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ " کی وضاحت اس طرح کی ہے:

---

60 – مودودی، **تفہیم القرآن**، ۳:۱۲۹۔

61– محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ۳:۱۴۰-۱۴۱۔

یعنی کسی مسلمان کی طرف سے تکلیف پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بدلا لینے کو چھوڑ دینا۔ یہ حکایت کی جاتی ہے کہ حسنؒ کی مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کو برا بھلا کہا۔ جس کو برا بھلا کہا وہ خاموش رہا اپنے پسینے کو صاف کیا۔ اُس کے بعد یہ آیت " وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ " تلاوت کی۔ حسنؒ نے کہا: اللہ کی قسم اِس نے آیت کے ساتھ عقل مندی کی اور اس کو سمجھ گیا جب کہ جاہلوں نے اِس کو ضائع کیا۔ معاف کر دینا اچھا عمل ہے ۔" إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ " یعنی ان نے فداء ہونے کو قبول کیا اور تکالیف پر صبر کیا۔[62]

مصائب و تکالیف کا ہونا ازلی اصول ہے۔ ہر انسان پر مشکل اور کٹھن مراحل آتے ہیں۔ دوسروں کی طرف سے اذیتیں بھی آتی ہیں لیکن جس نے صبر کیا اور بدلا نہ لیا اللہ تعالیٰ نے اُس کے فعل کو عزم امور فرمادیا ہے:
﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾۔[63]

۸۔ حضور ﷺ کو اولوالعزم رسولوں کی پیروی کا حکم دینا

انبیاء و رسل کی آزمائش بھی ان کے مقام کے مطابق سخت ہوتی ہے۔ تمام انبیاء اولوالعزم ہی ہیں۔ جیسا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے"كلّ الرسل كانوا أولي عزم لم يتخذ الله رسولا إلا كان ذا عزم"[64](لیکن یہاں خصوصیت سے مراد نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ مراد ہیں)۔ امام حاکم نے اس کی تائید میں ایک روایت نقل کی ہے:"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: " سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ خَمْسَةٌ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْخَمْسَةِ: نُوحٌ وَإِبْرَاهِيمُ وَمُوسَى وَعِيسَى وَمُحَمَّدٌ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ "[65](انبیاء کے پانچ سردار ہیں اور محمد ﷺ پانچوں میں سے سردار ہیں: نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ۔)

توحید کی دعوت دینا اور انسانوں کو ایک رب کی عبادت کی طرف بلانا بڑا مشکل مرحلہ تھا لیکن اس سے برگزیدہ رسولوں کی آزمائش بھی تو مطلوب تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسان مؤمن ہی ہوتے جیسا کہ قرآن مجید

62 – قرطبی، الجامع، ۱۶:۴۴۳۔

63 – القران ۴۲:۴۳۔

64 – طبری، جامع البیان، ۲۲:۱۴۵۔

65 – حاکم محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، كتاب تواريخ المتقدمين من الأنبياء والرسل، باب ذكر نوح النبى ﷺ اختلفوا فى نوح و إدريس (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۰ء)، حدیث ۴۰۰۷۔

میں فرمایا: ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾[66] (اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب، کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔)

ما قبل انبیاء کرام کو رشتہ داروں نے کم اور دوسروں نے زیادہ اذیتیں دیں مگر رسول اللہ ﷺ کو جو تکالیف اپنوں نے پہنچائیں وہ برداشت سے باہر تھیں۔ مگر آپ ﷺ نے ان تمام تکالیف و آزمائشوں کو بڑے اَحسن انداز میں برداشت کیا اور دینِ حق کی دعوت پر کاربند رہے ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾۔[67]

۹- پختہ حکم کے بعد اچھائی پر قائم رہنا

دعویٰ کی دلیل، عمل کا ہونا ہے۔ جب تک کسی بھی بات کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے گا وہ دعویٰ پختہ نہیں ہو گا۔ زبان سے بہت بڑی بڑی باتیں کی جائیں مگر جب عمل کا وقت آئے تو انسان اُس پر قائم نہ رہے، یہ انسانیت کی معراج نہیں ہے۔ کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ بھی اسی طرح کے دعوے کرتے مگر جب دلیل کی بات آتی تو اپنے دعوے سے پھر جاتے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ﴾[68] (کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے، پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔)

قرطبی نے اس کا معنی اس طرح لکھا ہے "فَإِذَا عَزَمَ أَصْحَابُ الامر. " فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ" أَيْ فِي الْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ. " لَكانَ خَيْراً لَهُمْ" من المعصية والمخالفة"[69] (جب اَصحابِ امر نے عزم کر لیا اگر وہ ایمان اور جہاد میں اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو نافرمانی اور مخالفت سے یہ ان کے لیے اچھا تھا۔)

عصر حاضر میں عزم کے تقاضے

---

66 – القرآن ۱۰:۹۹۔

67 – القرآن ۴۶:۳۵۔

68 – القرآن ۴۷:۲۱۔

69 – قرطبی، الجامع، ۱۶:۲۴۴۔

دور حاضر میں انسانی رویوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر فرد اپنی ذات کے لیے دن رات کاوش کر رہا ہے۔ دوسروں کے دکھ درد و تکالیف کا اِحساس کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ حالاں کہ انسانی ذمہ داری ہے کہ وہ مثبت معاشرہ کے پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرے۔ اس کے لیے اچھے روابط و تعلقات کا ہونا ضروری ہے، مگر ان کی کمی ہے۔ جس وجہ سے معاشرہ ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف گامزن نظر آتا ہے۔

آپس میں ایک دوسرے کو برداشت کرنا اور اچھے ارادے کے ساتھ کسی کو مشورہ دینا، اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ عزم کیا جائے کہ مثبت معاشرہ کو پروان چڑھانے کے لیے اچھے تعلقات استوار کیے جائیں گے۔ ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھا جائے گا۔ باہمی اختلافات کو ختم کر کے اللہ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرنے کا عزم کیا جائے گا۔ اس سے ایک تو اللہ کی رضا حاصل ہو گی اور دوسرا معاشرتی بگاڑ کم سے کم ہو گا۔ انسانیت اپنے عروج کی طرف سفر کرے گی۔

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بے شمار صلاحتیں رکھی ہیں۔ ان کو بروئے کار لا کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو نعمتیں عطا کر کے اور اس سے کسی چیز کو واپس لے کر آزماتا ہے۔ جب ایک انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہمت و حوصلہ عطاء فرماتا ہے۔ ہر کام میں سب سے اول ارادہ ہوتا ہے۔ جب ایک بندہ کسی عمل کی انجام دہی کے لیے ارادہ کرتا ہے تو اُس کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دینے میں ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ ارادہ اور انجام دہی یہ بندے کا کام ہے اور اس کا نتیجہ وصلہ دینا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جب عزم و ارادہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیا جائے۔ توکل علی اللہ ہی عمل کے دوران برکت اور آسانی کا سبب بنتا ہے۔ اگر ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کو دیکھیں تو انہوں نے عزم و ارادہ کے بعد اللہ پر توکل اختیار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں اسی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ اس لیے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ کام کرتے رہیں مگر توکل اللہ پر رکھیں اسی میں کامیابی وترقی ہے۔

سفارشات

- مادہ پرستی کی وجہ سے ہر انسان دنیا کے پیچھے کے بلا خوف و خطر بھاگنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے حالاں کہ امور کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔
- اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار فرماتے ہیں کہ معاف کیا کرو۔ ایک دوسرے کی خطا کو معاف کر دینے سے

اللہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہ معافی عزم اَمور میں سے ہے۔ معاشرہ کی فلاح و کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپس کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے۔

- یہ عزم تو نظر آتا ہے کہ کسی دوسرے انسان سے مشورہ نہیں لینا، کیوں کہ اس پر بھروسہ کی کمی ہے۔ مگر یہ عزم نظر نہیں آتا کہ مشورہ کرنا سنتِ رسول ﷺ ہے اور اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مشاورت سے امور کی انجام دہی کی جائے۔
- اللہ تعالیٰ انسانوں کو مختلف طریقوں سے آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اس میں برداشت و صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، صبر سے کام لینا عزم امور میں سے ہے۔ آزمائشوں پر صبر کرنا اور دوسروں کو اس کی تلقین کرنے کی ضرورت ہے۔
- نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنا ایک فریضہ ہے۔ مگر دورِ حاضر میں کوئی انسان دوسروں کی خیر کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے نظر نہیں آتا۔ نہي عن المنكر پر عمل پیرا نہ ہونے کے سبب بھی معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس امر کے لیے عزم کی ضرورت ہے تاکہ معاشرتی بگاڑ سے محفوظ رہا جا سکے۔

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم۔

۲۔ ابن منظور محمد بن مکرم،لسان العرب،بیروت:دار صادر،۱۴۱۴ھ۔

۳۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث، السنن،بیروت:المکتبة العصریة۔

۴۔ احمد بن فارس،معجم مقاییس اللغة،بیروت:دار الفکر،۱۹۷۹ء۔

۵۔ احمد بن حنبل،المسند،بیروت:مؤسسة الرسالة،۲۰۰۱ء۔

۶۔ ابن الأثیر مبارک بن محمد،النهایة فی غیرب الحدیث والأثر،بیروت:المکتبة العلمیة،۱۹۷۹ء۔

۷۔ محمود بن عبد اللہ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،بیروت:دار الکتب العلمیة،۱۴۱۵ھ۔

۸۔ محمد بن اسماعیل البخاری،الجامع الصحیح ،بیروت:دار طوق النجاة،۱۴۲۲ھ۔

۹۔ احمد بن الحسین بیہقی،السنن الکُبریٰ،بیروت:دار الکتب العلمیة،۲۰۰۳ء۔

۱۰۔ احمد بن محمد ثعلبی،الکشف والبیان عن تفسیر القرآن،بیروت:دار إحیاء التراث العربي،۲۰۰۲ء۔

۱۱۔ علی بن محمد جرجانی،کتاب التعریفات،بیروت:دار الکتب العلمیة،۱۹۸۳ء۔

۱۲۔ حاکم محمد بن عبداللہ،المستدرک علی الصحیحین،بیروت:دار الکتب العلمیة،۱۹۹۰ء۔

۱۳۔ حسین بن محمد راغب اَصفہانی،المفردات فی غریب القرآن،بیروت:دار القلم،۱۴۱۲ھ۔

۱۴۔ محمد بن محمد زبیدی،تاج العروس من جواهر القاموس،بیروت:دار الهدایة۔

۱۵۔ غلام رسول سعیدی،تبیان القرآن،لاہور:فرید بک سٹال،۲۰۰۹ء۔

۱۶۔ محمد بن جریر طبری،جامع البیان فی تأویل القرآن،بیروت:مؤسسة الرسالة،۲۰۰۰ء۔

۱۷۔ عیاض بن موسیٰ،مشارق الأنوار علی صحاح الآثار،بیروت:المکتبة العتیقة۔

۱۸۔ علی بن اسماعیل،المحکم والمحیط الأعظم،یروت:دار الکتب العلمیة،۲۰۰۰ء۔

۱۹۔ محمد بن یعقوب فیروزآبادی،القاموس المحیط،بیروت:مکتب تحقیق التراث،۲۰۰۵ء۔

۲۰۔ محمد بن احمد قرطبی،الجامع لأحکام القرآن،قاہرۃ:دار الکتب المصریة ،س ۱۹۶۴ء۔

۲۱۔ محمد بن ابی الفتح، **المطلع على ألفاظ المقنع**، بیروت: مکتبة السوادی للتوزیع، ۲۰۰۳ء۔

۲۲۔ مقاتل بن سلیمان، **تفسیر مقاتل بن سلیمان**، بیروت: دار إحیاء التراث۔

۲۳۔ پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔

۲۴۔ مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، کراچی: مکتبہ معارف القرآن۔

۲۵۔ ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**، لاہور: مکتبہ قدوسیہ۔

Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(1), 25-45

علامہ سیوطیؒ کی تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل کی روشنی میں سورۃ النمل کے مخصوص مضامین کا فقہی جائزہ

A Jursitacal Analysis of Selected Topics of *Surah al-Namal* from *al-Iklīl fī Istimbāt al-Tanzīl* by *Allama Syūtī*

Zia ul Rahman*, Abdul Haq[1], Sahibzada Baz Muhammad (PhD) *****

* Research Scholar, University of Balochistan, Quetta, Pakistan.

** Muntazim Jamiah, Fayuz ul Haramain Quetta, Pakistan.

*** Chariman Department of Islamic Studies, University of Baluchistan, Quetta, Pakistan.

Keywords

Al-iklīl; Jurisdiction; Animal; Woman; Gifts

Abstract: *The article is a juristic study on the selected topics from tafsir al-iklīl. It is a need of society to address the challenges which is behind of the research eyes. This research explores such an issue in juristical method. It is permissible to punish a lethargic animal moderately. Allah Almighty had permitted Prophet Sulaiman (A.S) to punish the animals in the same way, as He had permitted people of all ages. A permission which is still valid survives to slaughter them to make use of their flesh, bones, skin etc. Similarly, if the domestic animals, such as cow, horse, camel, donkey etc., do not perform their normal duty, then it is permissible even now to punish them moderately for disciplining. Punishing animals, other than domestic, is not permissible under Islamic law. The punishment should be enforced only when the guilt is established, otherwise he should be forgiven. This Article explores that Allama Sayūṭī explains the need based issues in the society to give their solution. Keeping these views, the article analysis with the exemplary patron of said tafsīr toward particular topics about surah al-Namal.*

Rahman, Z., Haq, A. and Muhammad, B. (2020). A Juristical Analysis of Selected Topics of *Surah al-Namal* from *al-Iklīl fī Istimbāṭ al-Tanzīl* by *Allama Sayūṭī*. *Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 25-45

© 2020 AUJIS. All rights reserved

1. Corresponding Author: Email: hqqanijanan@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-ʻUlūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

قرآن مجید بے شمار علوم وفنون کا خزینہ ہے۔اس کے متعدد مضامین میں سے ایک اہم ترین مضمون اس کے احکام ہیں جو پورے قرآن مجید میں جابجا موجود ہیں۔احکام القرآن پر مبنی آیات کی تعداد پانچ سو یا اس کے لگ بھگ ہے۔لیکن مفسرین کرام نے جہاں پورے قرآن کی تفاسیر لکھی ہیں، وہیں احکام پر مبنی آیات کو جمع کر کے الگ سے احکام القرآن پر مشتمل فقہی تفسیری مجموعے بھی مرتب کئے ہیں۔احکام القرآن پر مشتمل کتب میں قرآن مجید کی صرف انہی آیات کی تفسیر کی جاتی ہے جو اپنے اندر کوئی شرعی حکم لئے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ قصص، اخبار وغیرہ پر مبنی آیات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "**الاکلیل فی استنباط التنزیل**" بھی اسی طرز وانداز پر لکھی گئی ایک منفرد تفسیر ہے، جس میں علامہ سیوطی نے پورے قرآن میں موجود احکام پر مبنی آیات کی تفسیر قلم بند کی ہے۔

یہ مقالہ مذکورہ تفسیر اور مفسر کے مختصر تعارف کے علاوہ سورہ نمل کے منتخب مضامین (جانوروں کی سزا، شکار، قید یا مانوس کرنا۔ ۲۔ مشرکین کے تحائف کا رد وقبول۔ ۳۔ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا) کے تحقیقی جائزے اور خلاصہ کلام پر مشتمل ہے۔

دور حاضر میں لاعلمی یا عدم توجہ کے باعث شرعی احکام کو نظر انداز کیا جا رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ساتھ ساتھ مخلوق کے حقوق کی پامالی اور اس کے اثرات بد سے معاشرہ مختلف مسائل کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔یوں تو اکثر مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں ان مسائل پر سیر حاصل علمی گفتگو کی ہے جو عربی زبان میں ہونے اور منتشر ہونے کی بناء پر اردو قارئین کی پہنچ سے دور ہے۔اس مقالے میں ان مسائل کی تحقیق، تحلیلی اور تجزیاتی انداز میں کی گئی ہے۔

یہاں صرف ان تین مضامین کے بیان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ مختصر آرٹیکل پوری سورت کے تمام مضامین کی تحقیق کا متحمل نہیں جب کہ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ بے خبر ہونے کی وجہ سے ان مسائل میں بے توجہی اور بے اعتنائی کا شکار ہیں۔ان موضوعات کی ضرورت اور اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ کچھ حضرات لاعلمی کی وجہ سے انہیں شریعت کے احکام ہی نہیں مانتے اور نتیجتاً وہ اپنے من پسند طریقے پر چل کر دین ودنیا کا نقصان کرتے ہیں۔اس مقالہ میں تحقیقی منہج عام فہم، آسان اور بیانیہ ہے تاکہ ہر خاص وعام سمجھ سکے جب کہ ان تمام مسائل کا جائزہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر **الاکلیل فی استنباط التنزیل** کے تناظر میں لیا گیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

علماء کی درس وتدریس کی زینت، پانچ سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف، علم کے جہاں کا آفتاب جلال الملت والدین، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ معروف ومشہور شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کی حیات جاوداں کے بارے میں تاریخ تفسیر ومفسرین کے مؤلف غلام احمد حریری تحریر کرتے ہیں:

"نام نامی جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمان بن ابی بکر سیوطی ہے، آپ شافعی المسلک تھے ماہ رجب ۸۴۹ھ کو پیدا ہوئے، آپ کے تلمیذ علامہ داؤدی کا بیان ہے کہ علامہ سیوطی کے شیوخ واساتذہ کی تعداد اکاون ہے۔ آپ پانچ سوسے زائد کتب کے مصنف ومؤلف ہیں ،امام سیوطی سرعت تصنیف میں عدیم النظیر تھے، آپ نے ۱۹ جمادی الاولی ۹۱۱ھ شب جمعہ کو وفات پائی۔"[1]

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حیرت انگیز قوت حافظ کے مالک تھے۔حفظ قرآن کے بعد **عمدة الاحکام للنووی، منهاج لابن مالک،** اور **الفية للبيضاوی** حفظ کر لیں۔ آپ نے مصر کے نامور اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، طب وغیرہ علوم کی تعلیم حاصل کی۔

۸۶۹ھ میں سیوطی فریضہ حج ادا کرنے کے لیے گئے اور وہاں کے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ سفر حج کے دوران میں انھوں نے"**النحلة الزكية فی الرحلة المكية**" اور"**النفحة المسكية والتحفة المكية**" تصنیف کیں۔[2]

اس کے بعد ۸۷۰ھ کے اوائل میں قاہرہ واپس آئے اور اپنے والد کے مدرسہ شیخونیہ میں مسند پر براجمان ہو گئے۔ ۸۹۱ھ میں آپ کو معروف مدرسہ البیبرسیہ میں بھیج دیا گیا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر آپ کو ۹۰۶ھ میں اس منصب سے الگ ہونا پڑا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے جانشین مدرس کی وفات کے بعد آپ کو دوبارہ اسی عہدے کی پیش کش کی گئی جسے آپ نے قبول نہ کیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔[3]

علامہ سیوطی کثیر التالیف علماء میں سے تھے، آپ نے نادر روزگار پانچ سو سے زائد تصنیفات کا گراں قدر مجموعہ امت کو دیا، ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنے محاضرات قرآنی میں لکھتے ہیں:

1- غلام محمد حریری، **تاریخ تفسیر ومفسرین** (فیصل آباد: ملک سنز اینڈ پبلشرز، 1999ء)، 229۔

2- جلال الدین سیوطی، كتاب التحدث بنعمة الله (قاہرہ: المطبعة العربية الحديثية، 1975ء)، 79۔

3- دانش گاہ پنجاب، **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** (لاہور، دانش گاہ پنجاب، 2006ء)، 53711۔

"علامہ جلال سیوطی مشہور مفسر محدث اور فقیہ بلکہ ہر فن کا مولا ہیں۔ جن کی کم و بیش پانچ سو کتابیں موجود ہیں۔"(4)

مولوی عبد الحلیم چشتی نے فوائد جامعہ بر عجالہ نافعۃ، میں ۵۰۶ کتب کی فہرست ترتیب دی۔(5)

اسماعیل پاشا بغدادی نے بھی آپ کی تصانیف کی ایک فہرست ترتیب دی ہے۔ جبکہ آپ کے ہم عصر علما میں سے کسی ایک کی بھی تصانیف کی تعداد اِس قدر نہیں ہے۔(6)

الاکلیل فی استنباط التنزیل کا مختصر جائزہ

احکام القرآن پر بہت ہی عمدہ اوراعلیٰ پیرائے میں تفاسیر لکھی جاچکی ہیں، مگر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "الاکلیل فی استنباط التنزیل" کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے،اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مختصر اور احسن انداز میں ان احکام کا استقصاء کیا ہے، یہ تفسیر مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مفید ہے، اس تفسیر میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہی احکام ومسائل کی بہت مختصر، آسان اور سہل انداز میں تشریح فرمائی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عموماً شافعی مسلک کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہی احکام کا استنباط کیا ہے مگر بایں ہمہ وقتاً فوقتاً دوسرے مشہور فقہی مسالک کا بھی تذکرہ کرتے ہے۔ ایک جید فقہی عالم اور مفتی کے لئے یہ تفسیر اہم فقہی ماخذ ہے جو دوسرے بہت ساری فقہی تفاسیر سے مستغنی کرنے والی ہے، علامہ عبد القادر الکاتب اس تفسیر کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر اس سے بلند ہے کہ مجھ جیسا عاجز اس کی تعریف کرے، یہ تفسیر روز اوّل سے علما اور فقہا کے استنباطات کا مرجع ہے۔ اگر لوگوں کی طبائع جامدہ کا خیال نہ ہوتا تو علما ہر وقت اس کی طرح طرح کی خدمات کرتے رہتے، اور لوگوں کے لئے اسے سہل بناتے۔"(7)

سورۃ النمل کے منتخب مضامین کا فقہی جائزہ

4- محمود احمد غازی، **محاضرات قرآنی** (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران. 2002)، 237۔

5- مولوی عبد الحلیم چشتی، **فوائد جامعہ بر عجالہ نافعۃ** (لاہور: علمی بک ڈپو. س ن)، 212۔

6- جلال الدین سیوطی، مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن (کوئٹہ، مکتبہ المعروفیہ. س ن)، 1832۔

7- جلال الدین سیوطی، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل (بیروت: درالکتب العلمیۃ، 1981ء)، ۵۔

یہ آرٹیکل، سورہ نمل میں مذکور تین احکام پر مشتمل ہیں، پہلا حکم اور مسئلہ جانوروں کی سزا، شکار، قید یا مانوس کرنے کا ہے۔ اس مسئلے سے نابلد عوام حیوانات پر بے جا تشدد کرتے ہیں، دوسرا مسئلہ بھی بہت اہم ہے وہ مشرکین کے تحائف کا رد و قبول ہے، چونکہ دنیا نے گلوبل ویلیج (ایک گاؤں) کی شکل اختیار کرلی ہے تو یہود و نصاری اور مشرکین کے ساتھ ہمارے بہت سارے معاملات خلط ملط ہو گئے، ان کے پروگراموں میں بعض مسلمان شریک ہو کر بے دھڑک ہر قسم کے تحائف قبول کرتے ہیں، جبکہ بعض دیگر مسلمان ان سے ہر قسم کے تحائف لینے کو ممنوع سمجھتے ہیں، اس مسئلے پر فقہی بحث بھی مقصود ہے، اور تیسرا مسئلہ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنے کا ہے کہ دور جدید کے نوجوانوں میں یہ وبا پھیلی ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے سے منگنی کے نام پر اختلاط کرتے ہیں جو کہ شریعت کی روسے ممنوع ہے۔

مذکورہ بالا منتخب مضامین کا فقہی اور تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے جو کہ تفسیر الاکلیل کی روشنی میں بیانیہ صورت میں پیش کیا ہے۔

سورۃ النمل کا مرکزی خیال اور خلاصہ مضامین

سورت کی ابتدا میں قرآن مجید کا تعارف کروایا گیا ہے کہ قرآن اپنے مدعا اور دلائل کے حوالے سے واضح اور مدلّل کتاب ہے۔ یہ ایسے لوگوں کے لیے خوشخبری کا پیغام ہے جو حقیقی معنوں میں ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور آخرت پر یقین کامل رکھتے ہیں، ان کے مقابلے میں جو آخرت کی جواب دہی پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے لیے ان کے برے اعمال خوبصورت بنا دیئے گئے ہیں اور وہ اپنی روش میں اندھے ہو چکے ہیں۔ بنیادی ہدایات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ابتدائی واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے انہیں سفر میں کس طرح نبوت اور عظیم معجزے عطا فرمائے، اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اقتدار اور اختیارات کا ذکر فرما کر ملکہ بلقیس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سفارت اور ملاقات کے مثبت نتائج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قدم بہ قدم پر ذہانت نمایاں ہے اور ملکہ بلقیس ہر قدم پر اپنی بے علمی کا اعتراف کرتے ہوئے بالآخر مسلمان ہو جاتی ہے، پھر صالح علیہ السلام کی قوم اور لوط علیہ السلام کی قوم کے کردار اور انجام پر تبصرہ کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے کردار اور انجام سے اہل مکہ کو متنبہ کیا ہے کہ تم جو کچھ بھی ہو لیکن فرعون اور اس کے ساتھیوں سے تمہاری طاقت اور بغاوت زیادہ نہیں، جب فرعون اور اس کے لشکر حق کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے تو تمہاری طاقت تو ان سے کم ہے، لہٰذا سمجھ جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی آل فرعون

جیساہی ہو گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس کا واقعہ ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اقتدار بخشے، دوسروں کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا بھی اس کے فرائض میں شامل ہوتا ہے، اور جس تک حق کا پیغام پہنچے اسے تسلیم کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ سورت النّمل کے آخر میں سوالات کی صورت میں توحید اور مرنے کے بعد، زندہ ہونے کے دلائل دیئے گئے ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اہل مکہ پر واضح کر دیں جس رب نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے میں اسی رب کی دعوت دیتا اور اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ جس نے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول کیا اس کا اسے ہی فائدہ پہنچے گا، جو اپنے انکار پر قائم رہا، میرا کام تو اسے سمجھانا اور برے انجام سے ڈرانا ہے۔ سورت کا اختتام ان الفاظ میں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہیں وہ عنقریب اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائے گا، جنہیں دیکھ کر منکرین کو یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے یاد رکھیں کہ آپ کا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے، اس سورت کے مضامین کا خلاصہ اور مرکزی خیال بیان کرتے ہوئے علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "اس سورت کے شروع میں اللہ کی ثناء وصفت بیان ہوئی ہے اور جن مومنین نے اچھے اعمال کئے ان کی تعریف اور جنہوں نے غلط اعمال کئے ان کو ڈرایا گیا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو کچھ نوازشات فرمائیں ان کا بیان ہے۔ اس کے بعد بلقیس اور ہد ہد کے تذکرے کے ضمن میں کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کے ضمن میں توحید باری تعالیٰ کے بیان کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سامان تسلی بھی ہے۔ سورت کا اختتام قیامت کی علامات اور مسلمانوں اور کفار کے انجام سے کیا گیا ہے۔"[8]

خلاصہ کلام یہ کہ اس سورت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1- اس سورت کا تعلق مکی زندگی کے عہد سے ہے جب کفار کی عداوت اپنے عروج پر تھی۔

2- آغاز میں قرآن کریم کا تعارف کر دیا گیا ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مژدہ رحمت ہے۔ اور کسی انسان کی تصنیف نہیں۔

8- محمد سید طنطاوی، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم (القاہرۃ: دار نہضۃ، 1997)، 29510۔

3- اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے روز قیامت پر ایمان لانے کو کیوں ضروری قرار دیا۔ یہ عقیدہ انسانی زندگی کو سنوارنے میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ متعدد مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کر دیا۔

4- فرعون (منکر قیامت) کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب اسے ملک مصر کی محدود سلطنت ملی تو اس نے اپنے خالق کا ہی انکار کر دیا اور اپنی رعایا پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی، یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے نیچے پس گیا اور اپنے مظالم کے طوفان میں تنکوں کی طرح بہہ کر فنا ہو گیا۔

5- اس کے بعد سیدنا سلیمان علیہ السلام کی سیرت اور عظیم مملکت بیان کی گئی ہے۔

6- قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات بیان کر کے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ جس معاشرے میں آخرت پر ایمان نہیں ہو گا وہاں انفرادی اور اجتماعی کردار ان غلاظتوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔

7- پانچویں رکوع میں شرک کے بطلان پر ایسے مسکت اور دندان شکن دلائل پیش کیے گئے جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

8- آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کو یہ فرما کر تسلی دے رہا ہے کہ ان کفار و مشرکین میں حق پذیری کی استعداد ہی نہیں۔ اگر اندھا سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا تو یہ اس کا نقص ہے نہ کہ سورج کی روشنی کا قصور ہے اور نہ ہی اس کی فیاضی میں کوئی کمی ہے۔

9- سرداران مکہ کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس میں آج بھی کئی رؤساء اور نامور لوگ مبتلا ہیں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہ ہمارا خدا اور رسول پر بڑا احسان ہو گا۔

منتخب مضامین کا فقہی جائزہ

وہ مضامین جن کے احکامات کا انتخاب کیا گیا ہے ان پر سیر حاصل بحث تفسیر الاکلیل کی روشنی میں فقہی انداز میں کی جا رہی ہے تا کہ مثبت پہلو کے پیش نظر تجزیاتی مطالعہ بھی کیا جائے:۔

1- جانوروں کو مارنے کے فقہی احکام

تمام حیوانات اگرچہ شعور رکھتے ہیں مگر اللہ تعالی نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ان کو انسان کے لئے

مسخر کر دیا ہے، یہ جانور شب وروز انسان کے کام میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں، جس طرح یہ انسانوں کے کام آتے ہیں انسان کے لیے بھی مناسب ہے کہ ان بے زبان جانوروں کے حقوق کا بھی خیال رکھے البتہ سرکشی، نافرمانی اور کام میں سست روی کی صورت میں فقہاء امت نے ان کے لئے مناسب سزاء تجویز فرمائی ہے، اس سزاء کی اصل اور دلیل کے لئے فقہاء کرام سورہ نمل کی درج ذیل آیت کریمہ بطور استدلال پیش کرتے ہیں:

﴿لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ﴾(9)

(میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری) کی واضح دلیل پیش کرے گا۔)

سورہ نمل کی اس آیت کے تناظر میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قوله تعالى {لَأُعَذِّبَنَّهُ} الآية.قلت:ويستدل به على جواز تأديب الحيوانات والبهائم بالضرب عند تقصيرها في المشي وإسراعها ونحو ذلك وعلى جواز نتف ريش الحيوان لمصلحة لأن المراد بالتعذيب المذكور نتف ريشه كما أخرجه أبي حاتم عن ابن عباس."(10)

(اللہ تعالی کا قول "لَأُعَذِّبَنَّهُ" (علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے علمانے جانوروں اور حیوانوں کو سدھارنے، سست اور تیز چلنے وغیرہ میں کوتائی کے وقت مارنے کے جائز ہونے پر استدلال فرمایا ہے، اسی طرح کسی بھی مصلحت اور فائدے کی خاطر پرندے کے پر کاٹنے کو بھی جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس آیت میں بھی تعذیب سے مراد پروں کا کاٹنا ہے جس طرح کہ ابن ابی حاتم نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے۔)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دیگر مفسرین اور فقہائے امت نے بھی ملکہ سبا کے اس واقعہ سے حیوانات کو سزا دینے کے جواز پر استدلال فرمایا ہے، جیسا کہ "تفسیر السمرقندی" میں مشہور فقہی فقیہ ابو اللیث سمرقندی لکھتے ہیں:

"تجوز العقوبة على وجه التاديب اذا كان منه ذنب، كما يجوز للاب ان يودب ولده الصغيره واما الذبح فيجوز، وان لم يكن منه الذنب-"(11)

9- القرآن 21:27 ۔

10- سیوطی، مقدمه الاكليل فی استنباط التنزيل، 201۔

(اگر کسی جانور سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو انھیں بطور تادیب سزا دینا جائز ہے، جیسا کہ باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچے کو تادیب کے لیے سزا دے۔ اسی طرح جانور کا ذبح کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس سے کوئی خطا سرزد نہ ہو۔)

اب رہی یہ بات کہ کیا یہ سزاء کسی مقصد اور فائدے کے لئے دی جاسکتی ہے یا بغیر کسی فائدے کے بھی، مولانا اشرف علی تھانوی تفسیر بیان القرآن میں بہت ہی عمدہ انداز میں اس مسئلے کا حل لکھتے ہیں:

"اور (**لَاُعَذِّبَنَّهٗ**) سے معلوم ہوا کہ حیوانات کو تعلیم کے لیے تادیب جائز ہے اور دفع اذی کے لیے قتل بھی جائز ہے، جہاں تادیب و دفع اذی مرتب ہو، ورنہ نہیں، مثلاً ہدہد نہ قابل تادیب ہے نہ اس سے کوئی ایذا پہنچتی ہے، بخلاف اس حالت کے کہ غیر حاضری پر تادیب نافع ہوتی۔" [12]

اسی طرح علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں:

"ویجوز ان یبیح اللّٰہ تعالیٰ له ذلک لمارای فیه من المصلحة والمنفعة کما اباح سبحانه ذبح البها ئم والطیور للاکل وغیره من المنافع واذا سخرله الطیر ولم یتم من اجله الا بالتادیب والسیاسة جاز ان یباح له ما یصلح به." [13]

(اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت و منفعت کی خاطر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اس کا ذبح کرنا جائز قرار دیا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے و دیگر منافع کی خاطر جانوروں اور پرندوں کا ذبح کرنا جائز قرار دیا ہے، چوں کہ اللہ تعالیٰ نے پرندے کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے تو اس کو تابع دار بنانے اور اس کی اصلاح کے لیے اس کی تادیب اور سزا بھی مباح ہے۔)

لیکن بلاضرورت کسی جانور کو مارنے، اسے ذبح کرنے اور اس پر ظلم کرنے کی اسلام نے سختی سے ممانعت کی ہے اور ایک بے زبان جانور کے ساتھ سنگدلانہ برتاؤ کو اسلام نے سخت ناپسند کیا ہے، اسلام نے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے اور ان کی خوراک کا اہتمام کرنے کی تعلیم دی ہے، اسلامی تعلیمات کے مطابق جانوروں کو اذیت پہنچانا، آدمی کو دوزخ کا مستحق بناتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

11- نصر بن محمد احمد ابو اللیث السمرقندی، تفسیر السمرقندی المسمی بحر العلوم (بیروت، دار الفکر، 1997ء)، 577:2۔

12- اشرف علی تھانوی، **بیان القرآن** (کراچی: دار الاشاعت، س ن)، 85:2۔

13- آلوسی، 137:19۔

"دخلت امراۃ النار فی ھرۃ حبستھا فلا ھي اطعمتھا ولا ھي ترکتھا تاکل من حشاش الارض."(14)

(ایک عورت کو اس وجہ سے جہنم کی آگ میں داخل کیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ ہی چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالے۔)

اسی طرح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جانوروں کو صرف کھانے کے لیے ذبح کیا جاسکتا ہے، بلاوجہ ہی ذبح کر کے پھینک دینا جائز نہیں ہے جیسا امام دارمی ،حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من قتل عصفوراً بغیر حقه، سأله اللّٰہ عنه یوم القیامة، قیل وما حقه؟ قال:وان تذبحه فتاکله."(15)

(جو شخص چھوٹی سی چڑیا کو ناحق مارڈالے تو اللہ قیامت کے دن اس سے اس کے متعلق پوچھے گا، کہا گیا اس کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اس کا حق یہ ہے کہ اسے ذبح کر کے کھایا جائے۔)

یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ہر قسم کے جانوروں کو سزائیں دینا حلال کر دیا تھا، جیسا کہ جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہماری شریعت میں ہر قسم کے جانوروں کو سزا دینا جائز نہیں۔ بلکہ چند مخصوص قسم کے جانوروں مثلاً گائے، بیل گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ کو تادیب کے لیے بقدر ضرورت اس وقت معتدل سزا دینا جائز ہے، جب وہ اپنے کام میں سستی کریں۔

2- مشرکین کے تحائف قبول کرنے کی شرعی حیثیت

ہدیہ سے مراد وہ عطیہ ہے جو باہمی انس و محبت کو قائم رکھنے کے لیے کسی کو دیا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

14- محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المساقات، باب فضل سقی الماء (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن) رقم: 5632۔

15- ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، السنن ، کتاب الاضاحی، باب من قتل شیا من الدواب عبثا (ملتان، نشر السنة، 1966ء) رقم: 1984۔

"تہادو اتحابوا."[16]

(ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے تم باہم محبت کرنے لگو گے۔)

بلاشبہ ہدیہ اور تحفہ محبت اور الفت کو بڑھاتا اور عداوت کو دور کرتا ہے جیسا کہ ملکہ سباء نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مواخذہ سے بچنے اور ان کی طرف مودت کے پیغام کی خاطر، مگر جدید دور میں لوگ ہمیشہ ہدیہ و تحفہ کی بجائے اپنے ناجائز کام نکلوانے کے لیے رشوت کا سہارا لیتے ہیں ان کا یہ اسلوب لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ رشوت کے ذریعے قوم کو پہچاننے (ان کا اخلاقی اور دینی معیار جانچنے) کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح سے وہ قوم اور عوام کے درمیان متحرک اُس عنصر کو اچھی طرح سے پہچانتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ان کی خواب گاہوں کو بے چین اور بے آرام کیا جا سکتا ہے اور ان کو کسی کے خلاف بھڑکایا جا سکتا ہو۔ وہ ملازمت پر بھاؤ تاؤ کرتے ہیں اور پھر افسرانِ بالا کی عزت اور ان کے وقار کا سودا چند روپوں میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا جس کا مقصد حیات مال و متاع ہو وہ ان کی طلب پر لبیک کہہ دیتا ہے اور جس کا ایمان مضبوط، دین قائم اور دعوت خالص ہو، وہ خود صالح نمونہ اور اسوہ حسنہ والا ہو اور اس کے لیے اسوہ حسنہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ہو تو وہ فقر و فاقہ کو مالداری پر ترجیح دیتے ہوئے اس رشوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سباء کے ہدیہ کو واپس لوٹاتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾[17]

(پھر جب وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا، آپ نے فرمایا: کیا مال سے میری مدد کرتے ہو تو جو دولت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے وہ تمہاری دولت سے بہتر ہے (یہ تحفے مجھے خوش نہیں کر سکتے)، البتہ تمہارا تحفہ دینا تمھیں خوش کرتا ہے۔)

اسی آیت کریمہ کے تناظر میں دیگر فقہا کی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "الاکلیل فی استنباط التنزیل" میں لکھا ہے:

"قوله تعالى: {أَتُمِدُّونَنِ} الآية، فيه استحباب رد هدايا المشركين."[18]

16- امام مالک بن انس، الموطا (لاہور: مطبع مجتبائی، 1495ھ)، 2082۔

17- القرآن 36:27۔

18- سیوطی، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، 201۔

(اللہ تعالی کا قول: {أَتُمِدُّونَنِ} اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے ہدایا اور گفٹ کو واپس کرنا مستحب ہے۔)

یہاں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا دعوی یہ ہے کہ بعض حالات میں ایک غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا جائز یا مناسب نہیں، بلکہ اس سے رد کرنا اچھا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا اور بعض کا رد کر دیا، مثلاً حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

"قدم عامر بن مالک اخوا لبراء وھو مشرک فأھدی للنبی فرسین وحلتین، فقال لاأقبل ھدیة المشرک۔"[19]

(براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ کسی ضرورت سے پہنچے جب کہ وہ مشرک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑوں کے بطور ہدیہ پیش کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔)

اور دوسری روایت ہے:

"ان عیاض بن حمار المجاشعی أھدی الی رسول اللہ ﷺ فقال له:أسلمت یاعیاض؟ فقال لا، فقال ان اللہ نھانی عن زبد المشرکین ای عطایاھم-"[20]

(عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا: تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہدیہ یہ کہہ کر رد دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے۔)

19- بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الھبة، باب قبول ھدیة من المشرکین (بیروت: المکتبة العلمیة س۔ن)، 12:12۔

20- ابو عیسی محمد ترمذی، الجامع، ابواب السیر، باب فی قبول ھدایا المشرکین (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن) رقم 1435:۔

ان روایات کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: قبول الهدية من المشركين۔[21]

اس باب کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض غیر مسلموں سے ہدایا قبول کئے تھے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"واهديت للنبیﷺ شاةً فيها سم وقال ابو حميد اهدىٰ ملك ايلة للنبیﷺ بغلة بيضآء كساه برداً وكتب له ببحرهم."[22]

(اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (خیبر کے یہودیوں کی طرف سے) ہدیہ کے طور پر بکری کا ایسا گوشت پیش کیا گیا تھا جس میں زہر تھا(دشمنی میں) ابو حمید نے بیان کیا کہ ایلہ کے حکمران نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سفید خچر اور چادر ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی، اور نبی کریم ﷺ نے اسے لکھوایا تھا کہ وہ اپنی قوم کے حکمران کی حیثیت سے باقی رہے۔(کیونکہ اس نے جزیہ دینا منظور کیا تھا۔)

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مشہور واقعہ سے متعلق روایت (تعلیقات) کا ذکر کیا ہے جس میں ایک ظالم بادشاہ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت سارہ علیہا السلام کو بطور خادمہ دے دی تھی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وقال ابوهريرة رضی الله عنه عن النبیﷺ هاجر ابراهيم عليه السلام بسارة فدخل قرية فيها ملك اوجبار فقال اعطوها اجر."[23]

(اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سارہ علیہا السلام کے ساتھ ہجرت کی تو ایک ایسے شہر میں پہنچے، جہاں ایک بادشاہ یا ظالم حکمران تھا، اس بادشاہ نے سارہ علیہا السلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام (تحفہ کے طور) دینے کا حکم دیا۔)

21- بخاری، الصحيح، كتاب الهبة وفضلها، باب قبول الهداية من المشركين، 356:1

22- مصدر سابق، رقم: 28۔

23- مصدر سابق، كتاب البيوع، باب شراء المملوک من الحربی وهبته وعتقه، رقم: 2217۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد محمد زکریا اقبال لکھتے ہیں:

"مذکورہ حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مسلمان کے لیے کسی کافر اور ظالم شخص کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس ہدیہ سے اپنے دین و ایمان میں کسی خلل اور کوتاہی کا اندیشہ نہ ہو۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو اسی شیطان صفت کافر و ظالم بادشاہ نے خادمہ ہبہ کی تو حضرت سارہ علیہا السلام نے اس ہدیہ کو قبول کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس کی توثیق فرمائی، بلکہ حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام نامی وہ باندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی اور پھر وہی ام اسماعیل علیہ السلام بنیں۔"[24]

فقہاء کرام نے یہ بات بھی ذکر فرمائی ہے کہ کافر کو تحائف دینے سے بھی پرہیز کیا جائے خاص کر ان کے مذہبی تہوار پر ہدیہ دینا محبت اور تعلق کی علامت ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، بلکہ اگر ان کے تہوار کے دن کی تعظیم کرتے ہوئے ہدیہ دیا تو کفر کا اندیشہ ہے؛ اس لیے اس سے پرہیز واجب ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ومن أهدى يوم النوروز إلى إنسان شيئاً وأراد تعظيم النوروز كفر."[25]

(جس نے نوروز کے دن اسی دن کے تعظیم کی خاطر کسی کو کوئی تحفہ دیا تو اس نے کفر کیا۔)

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيْرُوزِ وَالْمِهْرَجَانِ لَا يَجُوزُ أَيْ الْهَدَايَا بِاسْمِ هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ حَرَامٌ"[26]

(کسی کو نیروز اور مہرجان کے نام پر تحفہ دینا جائز نہیں یعنی اس دین کے خاطر کسی کو تحفہ دینا حرام ہے۔)

دیگر فقہاء کرام کی طرح علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

"فيه استحباب رد هدايا المشركين." [27]

(اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ مشرکین کے ہدایا اور تحفے رد کرنا مستحب ہے۔)

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو علت کے ساتھ معلول سمجھتے ہیں یعنی اگر کوئی مصلحت دین ہو تو رد کرنا مستحب ہے ورنہ مستحب نہیں ہے جس طرح کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

24– محمد زکریا اقبال، **قصص الحدیث** (کراچی، دارالاشاعت، 2000ء)، 29۔

25– امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، **الفقه الأكبر** (بیروت، دارالفکر 1423ھ)، ۳۰۶۔

26– محمد امین ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار** (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س ن)، ۶:۷۵۴۔

27– سیوطی، **مقدمه الاکلیل فی استنباط التنزیل**، 121۔

"استدل بالآية على استحباب رد هدايا المشركين، والظاهر ان الامر كذالک اذا كان فی الرد مصلحة دينية لا مطلقاً."[28]

(آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ مشرکین کے ہدایا رد کرنا مستحب ہے اور ظاہر ہے کہ جب ہدایا کو رد کرنے میں دینی مصلحت ہو تو یہ رد کرنا مستحب ہے مطلق رد کرنا مستحب نہیں ہے۔)

عبد الماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فقہاء نے کہا ہے کہ کافروں کے ہدیہ کو رد کر دینا جب مصلحت اسی میں ہو مستحب ہے۔"[29]

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے ملکہ سباء کے یہ الفاظ بیان کیے ہیں:

﴿وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ﴾[30]

(اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں۔)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہدیہ و تحفہ بھیجنے والے کے شر کے بارے میں پتہ چل جائے تو اس کے تحفہ کو واپس بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے کیا حالاں کہ آپ علیہ السلام ملکہ سباء کو اسلام کی دعوت دے چکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ کافر کے ہدیہ کو اگر رد کرنے میں مصلحت ہو تو اسے رد کر دینا چاہیے اور اگر قبول کرنے میں مصلحت ہو تو اس مصلحت کے پیش نظر اسے قبول کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

3- پیغام نکاح (منگنی) سے پہلے مخطوبہ (منگیتر) کو ایک نظر دیکھنا مناسب ہے

شریعت میں " منگنی " شادی کے پیغام کو کہتے ہیں یعنی مرد عورت سے شادی کرنے کا پیغام دے، اور اہل علم کے ہاں شادی کرنے والے کا منگنی کرنا مشروع ہے، اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾[31]

(اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو۔)

28- آلوسی، تفسیر القران العظیم 19:200۔

29- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، **تفسیر ماجدی** (تاج کمپنی، کراچی، 1982ء)، 728۔

30- القرآن 27:35۔

31- القرآن 2:235۔

اور نبی مکرم ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام دیا تھا اور ان سے منگنی کی تھی اور صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگنی کی تھی، اب یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ کیا منگیتر کو منگنی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہے کہ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾[32]

([پھر] اس سے کہا گیا کہ محل میں چلئے جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔)

آیت مذکورہ سے استدلال کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" قال السدي كان قد نعت له خلقها فأحب أن ينظر إلى ساقيها. أخرجه ابن أبي حاتم، فيستفاد منها النظر قبل الخطبة."[33]

(امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے ملکہ بلقیس کے حسن کی تعریف کی گئی تو آپ علیہ السلام نے چاہا کہ کیوں نہ اس کے پنڈلیوں کو دیکھا جائے، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ منگنی سے پہلے منگیتر کو دیکھا جاسکتا ہے۔)

اس آیت کریمہ سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ منگیتر کو نکاح سے پہلے دیکھنے کے جواز پر استدلال کر رہے ہیں جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے منگنی کرنے والے کو منگنی سے پہلے ایک نظر اپنی منگیتر کو دیکھنے کی رغبت دلائی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ.»"[34]

32- القرآن 44:27۔

33- سیوطی، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، 202۔

34- ابو داود سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب النکاح، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى الْمَرْأَةِ وَهُوَ يُرِيدُ تَزْوِيجَهَا (مکتبہ رحمانیہ، لاہور س ن)، رقم: 2082۔

(جب تم میں سے کوئی ایک کسی عورت سے منگنی کرے تو اگر اس سے نکاح میں رغبت دلانے والی چیز دیکھ سکے تو اسے ایسا کرنا چاہیے۔)

نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھنے کی گنجائش ہے، بہتر یہ ہے لڑکی کو محارم کی موجودگی میں دیکھا جائے، نکاح سے پہلے خلوت میں ملنا جائز نہیں، علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(قوله: ولا يجوز النظر إليه بشهوة) أي إلا لحاجة وكخاطب يريد نكاحها فينظر --- بنية السنة لا قضاء الشهوة."(35)

(کسی خاتون کو شہوت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں ہے البتہ کسی ضرورت کی بنا پر دیکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ قاضی کو اگر فیصلہ کرنے میں اس کی ضرورت پڑے یا جیسا کہ کوئی منگنی کا پیغام دینا چاہتا ہو تو اسے سنت کی نیت سے دیکھے نہ کہ شہوت کے نیت سے۔)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے:

" أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا."(36)

(حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: اسے دیکھ لو کیونکہ ایسا کرنا تم دونوں کے مابین زیادہ استقرار کا باعث بنے گا۔)

اسی طرح ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے:

"كنت عند النبي صلى الله عليه وسلم فأتاه رجل فأخبره أنه تزوج امرأة من الأنصار فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم أنظرت إليها قال لا

35- ابن عابدین، ردالمحتار علی الدرالمختار، 1 :407۔

36- الدارمی، السنن، کتاب النکاح، بَابُ الرُّخْصَةِ فِي النَّظَرِ إِلَى الْمَرْأَةِ عِنْدَ الْخِطْبَةِ، رقم:2218۔

قال فاذهب فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا."[37]

(میں نبی ﷺ کے پاس تھا تو ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے، رسول اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے ؟ وہ کہنے لگا نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: جاؤ اسے جا کر دیکھو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔)

ان نصوص شرعیہ سے تو اتنی بات معلوم ہوگئی کہ منگیتر کو دیکھنا مستحب ہے مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ بار بار دیکھتے رہیں یا خلوت وجلوت میں ایک دوسرے سے دوستی بنائیں بلکہ علماء کرام نے دیکھنے کی کچھ حدود و قیود ذکر کی ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب مرد کسی عورت سے شادی کرنا چاہے اس کے لیے عورت کو بغیر اوڑھنی کے دیکھنا جائز نہیں، ہاں اس کا سر ڈھانپے ہونے کی شکل میں صرف چہرہ اور ہاتھ اس کی اجازت سے یا اجازت کے بغیر بھی چھپ کر دیکھ سکتا ہے۔"[38]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"دونوں پاؤں، ہتھیلیاں، اور چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے۔"[39]

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"چہرہ، ہتھیلیاں، اور قدم دیکھنے مباح ہیں اس سے تجاوز کرنا صحیح نہیں۔"[40]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتا ہے۔[41]

37- مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحيح ،كتاب النكاح، بَابُ نَدْبِ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِ الْمَرْأَةِ وَكَفَّيْهَا لِمَنْ يُرِيدُ تَزَوُّجَهَا(بیروت،دار الكتب العلمية، 1989)، رقم:2644۔

39- ابو الحسن علی بن محمد ماوردی، النكت والعيون المعروف بتفسير الماوردي (بیروت:دار الكتب العلمية،1999)، 34:9۔

39- ابن رشد محمد بن احمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد(قاہرہ،دار الحديث،2002),10:3۔

40- ابن عابدین، ردالمحتار على الدر المختار،325:5۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایات بھی مختلف ہیں جیسا کہ:

1. ہاتھ اور چہرہ دیکھ سکتا ہے۔
2. عام طور پر جو ظاہر ہو وہ دیکھ سکتا ہے مثلاً گردن، پنڈلیاں، وغیرہ۔[42]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور علماء کرام کے ہاں اس مسئلے میں دیکھنے کی کچھ حدود ہیں جیسا کہ منگیتر کا چہرہ، اور ہتھیلیاں دیکھنا مباح ہیں اس لیے کہ چہرہ خوبصورتی اور جمال پر یا پھر بدصورتی پر دلالت کرتا ہے اور ہتھیلیاں عورت کے بدن کے نحیف یا موٹا و زرخیز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

جہاں تک بات ہے منگیتر سے خلوت کرنے کی، تو ایسا کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے، اور شریعت میں دیکھنے کے علاوہ کچھ وارد نہیں اس لیے یہ اپنی تحریم پر باقی ہے، اور اس لیے بھی کہ خلوت کی بنا پر ممنوعہ کام کے وقوع سے مامون نہیں بلکہ اس میں وقوع کا خدشہ ہے، اور نبی ﷺ کا فرمان تو یہ ہے:

"عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ."[43]

(کوئی بھی مرد کسی عورت سے خلوت نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں تیسرا شیطان ہو گا۔)

آئمہ اور علما کی آراء کے پیش نظر نکاح کا پیغام دینے سے پہلے منگیتر کو دیکھنا جائز ہے تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو البتہ خلوت میں ملنا یا بار بار ملنا یا بنظر شہوت دیکھنا یا اسی طرح ہاتھ اور چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

اس بحث کا خلاصہ تین فقہی مسائل پر مشتمل ہے، پہلا مسئلہ جانوروں کی تادیب اور سزا کے فقہی احکام کا ہے کہ جانوروں کو کسی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر ذبح کرنا اور تادیب و سزا دینا جائز ہے جب کہ بغیر کسی مصلحت کے کسی بھی حیوان کو تکلیف دینا ناجائز ہے۔ دوسرا مسئلہ مشرکین کے تحائف اور ہدایہ کے لین دین کا ہے، یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلے کی طرح معلول بر علت ہے، کہ اگر کافر کے ہدیہ کو رد کرنے میں مصلحت ہو تو اسے رد کر دینا چاہیے اور

41- عبداللہ بن أحمد بن محمد ابن قدامہ، المغنی (بیروت: مکتبة القاهرة، 1968ء)، 7:454۔

42- مرجع سابق، 7:454۔

43- ترمذی، الجامع، کتاب النکاح، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُغِيبَاتِ، رقم: 1171۔

اگر قبول کرنے میں مصلحت ہو تو اسے قبول کرنا چاہیے، بلاوجہ رد کرنا مناسب نہیں۔ آخری اور جدید معاشرے کا اہم مسئلہ پیغامِ نکاح (منگنی) سے پہلے منگیتر کو دیکھنے کا ہے، جمہور علماء کرام کے ہاں اس کی کچھ حدود و قیود ہیں جیسا کہ منگیتر کا چہرہ، اور ہتھیلیاں دیکھنا مباح ہیں اس لیے کہ چہرہ خوبصورتی اور جمال، یا پھر بدصورتی پر دلالت کرتا ہے اور ہتھیلیاں عورت کے نحیف یا صحت مند ہونے پر دلالت کرتی ہیں، جہاں تک بات ہے منگیتر سے خلوت میں ملاقات کی تو یہ کسی بھی حال میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

مصادر و مراجع

1. شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم، بیروت: دار الکتب العلمیة، 1415ھ۔
2. ابن رشد محمد بن احمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، قاہرہ: دار الحدیث، 2002ء۔
3. ابن عابدین محمد امین، ردالمحتار علی الدر المختار، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، س ن۔
4. ابن قدامہ عبد اللہ بن أحمد بن محمد المغنی، بیروت: مکتبة القاھرة، 1968ء۔
5. ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، ریاض: دار السلام۔
6. ابو داود سلیمان بن اشعث، السنن، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن۔
7. محمد زکریا اقبال، **قصص الحدیث**، کراچی: دار الاشاعت، 2000ء۔
8. امام مالک بن انس، الموطا، لاہور: مطبع مجتبائی، 1495ھ)۔
9. محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن۔
10. ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، الجامع، کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن۔
11. اشرف علی تھانوی، **بیان القرآن**، کراچی: دار الاشاعت، س ن۔
12. عبد الحلیم چشتی، **فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ**، لاہور: علمی بک ڈپو. س ن۔
13. غلام محمد حریری، **تاریخ تفسیر و مفسرین**، فیصل آباد: ملک سنز اینڈ پبلشرز. 1999ء۔
14. ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، السنن، ملتان: نشر السنة، 1966ء۔
15. دانش گاہ پنجاب، **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، لاہور: دانش گاہ پنجاب، 2006ء۔
16. مولانا عبد الماجد دریا آبادی، **تفسیر ماجدی**، کراچی: تاج کمپنی، 1982ء۔
17. جلال الدین السیوطی، کتاب التحدث بنعمة اللہ، قاہرہ: المطبعة العربیة الحدیثة، 1975ء۔
18. جلال الدین السیوطی، مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن، کوئٹہ: مکتبہ المعروفیہ۔
19. جلال الدین السیوطی، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، بیروت: در الکتب العلمیة، 1981ء ۔
20. محمد سید طنطاوی، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، قاہرہ: دار نہضة، 1997ء۔
21. بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، بیروت: دار الفکر۔

22. محمود احمد غازی، **محاضرات قرآنی**، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران. 2002ء۔

23. ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی. **الجامع لاحکام القرآن**، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن۔

24. ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، **النكت والعيون المعروف بتفسير الماوردي**، **بيروت**: دار الكتب العلمية، 2005ء۔

25. مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحيح**، بيروت: در الكتب العلمية، 1989ء۔

26. نصر بن محمد احمد ابو الليث السمرقندی، **تفسير السمرقندی المسمى بحر العلوم**، بيروت: دار الفكر، 1997ء۔

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(1), 46-69

لسانی جارحیت کا تعارف اور اس کا تدارک: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An Introduction of Oral Aggression, its Causes, Preventive Measures and Remedies in the Light of the Sīrah of the Holy Prophet (ﷺ)

Allah Ditta*[1], Muhammad Waris Ali (PhD) **

*Lecturer, Federal Government Degree College for Women Multan Cantt, Pakistan

**Assistant Professor, Department of Islamic Studies Lahore Garrison University, Lahore, Pakistan

Keywords

Lagunage ; Agression ; Violent ; Causes ; Remédies

Abstract: *This article focuses on the violent language and verbal aggression in day to day gossip, discussion and chat. It is a pity that such talk is becoming a norm in our society although Islam asks its followers to be calm and compassionate and to forgive others. Allah Almighty mentions in the Holy Qur'ān, "And the slaves of the Most Beneficent (Allah) are those who walk on the earth in humility and sedateness, and when the foolish address them (with bad words) they reply back with mild words of gentleness" (Al-Qur'ān, 25:63). The personality of the Holy Prophet (PBUH) is the epitome Islamic teachings. The Prophet was not only humble and courteous towards believers but also tolerant and forgiving towards non-believers. His compassionate behavior and his benevolent attitude won hearts and compelled non-believers to embrace Islam. His courteous behavior was praised by the enemies too. This study labels His teachings as well as examples from His life as a testimony to the true message of Islam. This study is an effort to promote tolerance, patience and harmony in the Pakistani society. It also aims at reducing verbal violence and aggression from the society.*

Ditta, A., and Ali, M. W. (2020). An Introduction of Verbal Aggression, its Causes, Preventive Measures and Remedies in the Light of the *Sīrah* of the Holy Prophet (PBUH). *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 46-69

© 2020 AUJIS. All rights reserved

[1] Corresponding Author: Email: profabughufran475@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

اقوام عالم کو امن و اطمینان اور سکون و آرام کی جتنی ضرورت آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی اس لیے کہ اُس وقت جنگیں میدان میں لڑی جاتی تھیں مگر آج ایٹمی اور کیمیائی بنیادوں پر لڑی جارہی ہیں جن کی وجہ سے پوری دنیا کا امن داؤ پر لگ چکا ہے۔ ان سب کے باوصف جو مسئلہ آج بھی سر اٹھائے ایک انتہائی خطرناک صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ جارحانہ اور پر تشدد گفتگو کا ہے۔ تعلیمی ترقی اور شعور کی بیداری نے بہت سے مسائل کا خاتمہ کر دیا ہے۔ آج ہر شخص دوسروں پر تشدد اور ظلم کو برا سمجھتا ہے اور کوئی بھی ذی شعور اس کی حمایت نہیں کرتا مگر جاہلیت کی روایات آج بھی باقی ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر لڑنا آج بھی ہمارے معاشرے میں رائج ہے۔ اگرچہ اخلاقی اقدار کی ترویج اور قوانین کی پاسداری کی وجہ سے لوگ دوسروں پر تشدد نہیں کر سکتے لیکن وہ اپنے دل کی بھڑاس لسانی جارحیت و سخت کلامی کی صورت میں نکال لیتے ہیں۔ عوام تو عوام خواص بھی اس بیماری کا شکار ہیں حتی کہ علماء و معلمین بھی اس آفت سے اپنا دامن بچا نہیں پائے، اس لیے یہ ضروری ہو گیا کہ اس موضوع پر تحقیق کی جائے اور حقائق کو سامنے لایا جائے، اس کے ساتھ ساتھ لسانی جارحیت کے اسباب اور نقصانات سے بھی آگاہ کیا جائے۔

اس مقالہ میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں میں لسانی جارحیت، معاشرے میں اس کے اثرات اور تدارک کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس مقالہ میں بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے تاہم جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے وہاں معاشرتی مثالوں سے بھی جزئیات کو قابل فہم بنایا گیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق وہ جہتیں جو ہمارے معاشرے میں پائی جاتیں ہیں اُن تمام کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

لسانی جارحیت کا مفہوم

لسانی جارحیت کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اس کی پہلی اور مشہور قسم جو کہ عصر حاضر میں بالعموم پوری دنیا میں بہت زیادہ مروج و متداول ہے اس سے مراد زبان (Language) کی بنیاد پر دوسرے شخص یا قوم سے بغض و نفرت کے جذبات پر مبنی رویے ہیں لیکن سر دست یہ اس مقالے کا موضوع نہیں ہے اس لیے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے لسانی جارحیت کی دوسری قسم جس سے مراد جارحانہ و پر تشدد گفتگو ہے اسی سے بحث کی جائے گی اور عربی زبان میں لسانی جارحیت سے یہی معنی سمجھے جاتے ہیں۔

لسانی جارحیت کو عربی میں جرح اللسان کہتے ہیں جس کے معنی علامہ زمخشری نے عیب لگانے کے بیان کیے ہیں۔[1] مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی نے اس کے معنی گالی دینا، توہین کرنا یا عیب بیان کرنا کے لکھے ہیں۔[2] المنجد میں اس کے معنی عیب لگانا یا مرتبہ گھٹانا کے بیان کیے گئے ہیں۔[3] یعنی ان سب کے نزدیک اس کے معنی کسی دوسرے شخص کی توہین کرنے، گالی دینے، مرتبہ گھٹانے یا عیب لگانے کے ہیں۔

لسانی جارحیت کو انگریزی میں Violent Language یا Oral Aggression یا Speech Violence یا Hate Speech کہتے ہیں۔ اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعریف کیا بیان کی گئی ہے؟ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

> "Hate speech is speech that attacks a person or a group on the basis of attributes such as race, religion, ethnic origin, national origin, sex, disability, sexual orientation, or gender identity. The laws of some countries describe hate speech as speech, gestures, conduct, writing, or displays that incite violence or prejudicial actions against a group or individuals on the basis of their membership in the group, or disparages or intimidates a group, or individuals on the basis of their membership in the group".[4]
>
> (لسانی جارحیت سے مراد وہ گفتگو ہے جو ذات، مذہب، نسل، قومیت، جنس، معذوری، جنسی رجحان، یا صنفی شناخت جیسی صفات کی بنیاد پر کسی فرد یا گروہ پر حملہ کرتی ہے۔ کچھ ممالک کے قوانین لسانی جارحیت کو تقریر، اشاروں، طرز عمل، تحریر، یا عملی مظاہرے سے تعبیر کرتے ہیں جو کسی گروپ یا افراد کے خلاف اس گروہ میں ان کی رکنیت کی بنیاد پر پُر تشدد یا متعصبانہ کاروائیوں پر اکساتے ہیں، یا گروپ میں ان کی رکنیت کی بنیاد پر ان کو ڈراتے اور دھمکاتے ہیں یا تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں۔)

ایک انگریز مصنف جارحیت کی تعریف اور اس کی اقسام کی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "Aggression is commonly defined as a behavior that is intended to harm another person who is motivated to avoid

---

1– ابو القاسم محمود بن عمرو جار اللہ زمخشری، أساس البلاغة، تحقیق: محمد باسل عیون السود (بیروت: دار الکتب العلمیة، 1998ء)، 1:129۔

2– وحید الزمان کیرانوی، قاموس الوحید (لاہور: ادارہ اسلامیات، س ن)، 246۔

3– لوئیس معلوف، المنجد، مترجم: عبد الحفیظ بلیاوی (لاہور: خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، س ن)، 107۔

4– https://en.wikipedia.org/wiki/Hate_speech (accessed on 31-01-2019).

that harm. This harm can take many forms such as physical injury, hurt feelings, or damaged social relationships”.[5]

(جارحیت کو عام طور پر اس طرز عمل سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مقصد کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے جو اس نقصان سے بچنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ یہ نقصان جسمانی چوٹ، احساسات کو مجروح کرنے، یا معاشرتی تعلقات کو نقصان پہنچانے جیسے متعدد شکلیں لے سکتا ہے۔)

ایک عربی مصنف لکھتے ہیں:

" لسانی جارحیت کی عالمی سطح پر کوئی قبول شدہ تعریف نہیں ہے جو اس کی ماہیت کو واضح کرے تاہم لسانی جارحیت کو نفرت انگیز تقریر کے طور پر جانا جا سکتا ہے جس میں حملہ، اشتعال انگیزی، یا غصہ شامل ہوتا ہے جو کسی دوسرے فرد یا افراد کے گروہ کو ذلیل ورسوا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے"۔[6]

اقوام متحدہ نے بھی جارح اور نفرت انگیز گفتگو بارے جاری کردہ کتابچے میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس کی کوئی متفقہ تعریف نہیں ہے بلکہ یہ امر ماہرین کے درمیان متنازع اور مختلف فیہ ہے تاہم انہوں نے جو تعریف بیان کی ہے وہ یہاں نقل کی جاتی ہے:

“Hate speech is understood as any kind of communication in speech, writing or behavior that attacks or uses pejorative or discriminatory language with reference to a person or a group on the basis of who they are, in other words, based on their religion, ethnicity, nationality, race, colour, descent, gender or other identity factor. This is often rooted in, and generates intolerance and hatred and, in certain contexts, can be demeaning and divisive”.[7]

(لسانی جارحیت کو تقریر، تحریر یا طرز عمل کے کسی بھی طرح کے ذریعہ ابلاغ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے، جو کسی فرد یا گروہ کے حوالے سے سخت یا متعصبانہ زبان استعمال کرتا ہے، اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے وہ کون ہیں؟ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حرکت مذہب، ذات، قومیت، نسل، رنگ، خاندان،

5– Allen, Johnie & Anderson, Craig. (2017). Aggression and Violence: Definitions and Distinctions, p.2 retrieved from https://www.researchgate.net/publication/323784533 (accessed on 30-05-2020).

6– **خطابات الكراهية وقود الغضب** (القاهرة: مركز هردو لدعم التعبير الرقمى، 2016ء) 6 retrieved from https://hrdoegypt.org (accessed on 30-05-2020)

7. Antonio Guterres United Nations Strategy and plan of action on hate speech, May 2019 retrieved from https://www.un.org (accessed on 30-05-2020).

صنف یا دیگر کسی شناختی عنصر کی بدولت سر انجام پاتی ہے۔ یہ (مرض) اکثریت میں پایا جاتا ہے، اور عدم برداشت و نفرت کو بڑھاوا دیتا ہے اور بعض حالات میں سخت تکلیف دہ اور تنازع کا باعث ہو سکتی ہے۔)

اوپر بیان کی گئی تعریفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزمرہ کی گفتگو میں متکلم کا مخاطب سے تحکمانہ، جارحانہ، سخت، تلخ، کڑوے، کسیلے، ترش یا نامناسب الفاظ سے کلام کرنا لسانی جارحیت کہلاتا ہے۔ یعنی یہ ناشائستہ، نازیبا، سخت، کڑوے کسیلے الفاظ کا وہ مجموعہ ہے جو کسی کو ذلnیل کرنے کے لیے یا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ لسانی جارحیت کو ایک آلہ کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جس کے ذریعے یہ پیمائش کی جا سکتی ہے کہ ایک فرد، سماج یا معاشرہ اخلاقی طور پر کتنا تہذیب یافتہ ہے؟ یا کتنا جارحیت کا شکار ہے؟ اسی وجہ سے مقولہ مشہور ہے: ''طعن اللسان أشد من ضرب السنان''[8] تیر یا نیزے کے زخم سے زبان کا زخم زیادہ سخت ہوتا ہے۔)

ایک شاعر کہتا ہے: ''جِراحاتُ السِّنانِ لَهَا التِئامٌ ... وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسانُ''[9]

(نیزوں کے زخم تو بھر سکتے ہیں لیکن زبان کے زخم کبھی نہیں بھرتے۔)

لسانی جارحیت و سخت کلامی کی بجائے شریعت اسلامیہ نے رفق و لطف کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ رفق و لطف کے معنی ہیں کہ معاملات میں تنگی اور سخت گیری کی بجائے نرمی اور سہولت اختیار کی جائے۔ جو بات کی جائے نرمی سے، جو سمجھایا جائے وہ سہولت سے اور جو مطالبہ کیا جائے وہ میٹھے طریقہ سے کہ دلوں کو موہ لے اور پتھر کو بھی موم کر دے۔ اور حدیثوں میں اللہ رب العزت کا نام رفیق آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ہر قسم کے بندوں کے ساتھ ان کی خبر گیری اور رزق کا سامان پہنچانے میں رفق و لطف فرماتا ہے اور اپنے اس تلطف میں وہ ان کی اطاعت اور ان کی عدم اطاعت کی پرواہ نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ''[10] (اللہ رفیق ہے ہر امر میں رفق (نرمی) پسند کرتا ہے۔)

8- قاضی عبد النبی، دستور العلماء جامع العلوم في اصطلاحات الفنون(بیروت: دار الکتب العلمیة، 2000ء)، 3:327۔

9- محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسینی الزبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس(بیروت: دارالهدایه للنشر والتوزیع، س ن)، 28:504۔

10- محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد زهیر بن ناصر الناصر، کِتَابُ اسْتِتَابَةِ الْمُرْتَدِّينَ وَالمُعَانِدِينَ

لسانی جارحیت کے اسباب

لسانی جارحیت کے اسباب میں بہت سے عناصر شامل ہیں۔ بالعموم یہ مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

1) لسانی جارحیت کے اسباب میں سب سے اہم سبب غصے کا پایا جانا ہے۔ غصہ انسان کی عقل کو سلب کر لیتا ہے جس کی وجہ سے انسان بہت سے خلاف شرعی امور کر گزرتا ہے۔ اسی وجہ سے غصے کو شیطان کا جال کہا جاتا ہے غصے والا شخص علم و عمل کے کتنے ہی بڑے مرتبے پر فائز ہو خواہ صاحب کرامت ولی ہو لیکن غصے کی وجہ سے گناہ کبیرہ و حرام افعال کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

2) عجب و خود پسندی میں مبتلا اشخاص دوسرے اشخاص کی معمولی سے بات بھی برداشت نہیں کرتے اس لیے وہ سخت کلامی و لسانی جارحیت پر اتر آتے ہیں۔

3) کسی بات پر جذباتی ہو کر لوگ انتقاماً بھی سخت کلامی پر اتر آتے ہیں۔

4) حب جاہ کا مرض بھی لسانی جارحیت کا اہم سبب ہے۔

5) نفس جو تمام گناہوں کا منبع ہے وہی انسان کو اس حرکت پر ابھارتا ہے اور انسان دوسرے لوگوں کو اپنی زبان و گفتگو کے ذریعے تکلیف پہنچا کر ایذاء کا سبب بنتا ہے۔ اور یوں اللہ و رسول کی ناراضگی مول لیتا ہے۔

6) کچھ لوگ اپنے اندر بہیمیت و حیوانیت کے سے جذبات رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ فوراً مشتعل ہو کر سخت کلامی، گالم گلوچ یا دشنام طرازی کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں اس لیے ان سے بچنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

7) عصری معاشرتی تقاضے اس رویے کی بڑی سختی سے مذمت کرتے ہیں تاہم کچھ لوگ پھر بھی تربیت کی کمی کی وجہ سے اس کو درخور اعتنا نہیں جانتے اور نہ ہی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اس رویے کی وجہ سے سامنے والے کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے۔

8) ایسا معاشرہ جو کم پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہو اور شعور و تہذیب سے ناآشنا ہوں وہاں کا معاشرتی رجحان بھی لوگوں کو سخت کلامی پر آمادہ کرتا ہے پھر یہی ان کی عادت بن جاتی ہے۔

وَقِتَالِهِمْ، بَابُ إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُصَرِّحْ، نَحْوَ قَوْلِهِ: السَّامُ عَلَيْكَ (بیروت: دار طوق النجاة، 1422ھ)، رقم: 6927۔

9) اسلامی احکامات سے دوری ولا علمی اور سیرت النبی سے آگاہی نہ ہونا بھی لسانی جارحیت کا بہت بڑا سبب ہے۔

10) قرآن وحدیث کی تعلیمات سے واقفیت کے بعد ان پر عمل کرنے سے ہی ایک شخص سخت کلامی سے اجتناب کر سکتا ہے چنانچہ اسلامی تقاضوں پر عمل نہ کرنا اور ان کو فراموش کر دینا بھی ایک اہم سبب ہے۔

لسانی جارحیت کی اقسام

جب معاشرے کے حالات پر غور کیا جائے تو اس میں سخت کلامی ولسانی جارحیت کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں:

1- شائستہ لیکن جارح الفاظ
2- بظاہر ناشائستہ لیکن حقیقت پر مبنی الفاظ
3- ناشائستہ لیکن فحش گوئی سے پاک
4- ناشائستہ اور فحش الفاظ
5- بہتان اور یاوہ گوئی پر مشتمل الفاظ

اب سطور ذیل میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے اور ان کے احکام بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

1- شائستہ الفاظ

یہ لسانی جارحیت کی پہلی قسم ہے جس میں ایک شخص ناگوار امر یا واقعہ پیش آنے پر اپنا ردعمل ایسے جارحانہ الفاظ کی صورت میں دیتا ہے جو اگرچہ کسی بھی لحاظ سے ناشائستہ یا غلط نہیں کہے جا سکتے لیکن مخاطب شخص اور سامع ان الفاظ کی تلخی اور کڑواہٹ کو برابر محسوس کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں مذکورہ شخص کا لہجہ الفاظ سے زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے اور لہجے کی تلخی الفاظ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے صورت حال اور زیادہ گھمبیر ہو جاتی ہے۔ ان الفاظ کی مثالوں میں بہت سے الفاظ داخل ہیں۔ مثلاً کیا آپ کو نظر نہیں آتا؟ کدھر ہے تمہارا باپ؟ کیا سنتا نہیں آپ کو؟ آپ کو دوسروں کے دکھ درد کا خیال ہی نہیں ہے۔ آپ میں دل ہی نہیں ہے جو دوسروں کے درد کو سمجھ سکے۔ دیکھ لیا آپ کا انصاف بھی۔ وغیرہ وغیرہ یہ اور اس طرح کی ڈھیروں مثالیں ہیں جن میں ایک شخص

دوسرے شخص کو اپنے تیز جملوں کا نشانہ بنا رہا ہوتا ہے۔اس طرح کے الفاظ میں طرزِ کلام کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ان الفاظ کی شائستگی کے باوجود سامنے والے شخص کو یہ الفاظ انتہائی جارحانہ لگتے ہیں۔ اگرچہ اس تیز و تند جملوں کا ارتکاب کرنے والا نہیں جانتا کہ سامنے والے کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔ بعض اوقات لوگ ان الفاظ کے اثر کی وجہ سے گھنٹوں روتے رہتے ہیں یا کئی دنوں تک جذباتی ہیجان کا شکار رہتے ہیں۔اس طرح کی گفتگو کے مظاہر عموما عورتوں کے درمیان زیادہ ہوتے ہیں جب عورتیں ایک دوسرے سے الجھتی ہیں تو وہ پھر کسی کو معاف نہیں کرتیں اور اس طرح کی سخت اور جارح گفتگو میں اس حد تک آگے بڑھ جاتی ہیں کہ برسوں پرانی باتیں بھی انہیں یاد آجاتی ہے اور اس پر طعنے دینے شروع ہو جاتی ہیں۔[11] سچ ہی تو کہا تھا بڑوں نے کہ "تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔" اسی وجہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے ایک مسلمان کو کیا تلقین فرمائی ہے اس کو درج ذیل احادیث سے سمجھیں: ''**مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ**''[12] (جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے (اسے چاہیے یا تو) وہ بھلائی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔)

اہل ایمان کی گفتگو بہترین اور پر تاثیر ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ فضولیات سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''**مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ**''[13] (فضول باتوں کو چھوڑ دینا، آدمی کے اسلام کی اچھائی کی دلیل ہے۔)

سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! مسلمانوں میں سے کون افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''**مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ، وَيَدِهِ**''[14] (جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں)

11- بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابُ كُفْرَانِ العَشِيرِ وَكُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ، رقم:29۔

12- محمد بن یزید ابن ماجہ، **السنن**، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ كَفِّ اللِّسَانِ فِي الْفِتْنَةِ (بیروت: دار إحياء الكتب العربية - فيصل عيسى البابي الحلبي، س ن)، رقم: 3971۔

13- محمد بن عیسی ترمذی، **الجامع**، أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، 1975ء)، رقم: 2317۔

14- بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: أَيُّ الإِسْلاَمِ أَفْضَلُ؟ رقم: 11۔

کسی دوسرے مسلمان کو اپنی زبان یا ہاتھ وغیرہ سے تکلیف دینا اشد حرام ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ''[15] (ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت آبرو قابل احترام ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ''[16] (جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔)

جس طرح زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی بنا پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ایسے ہی ان دونوں کی حفاظت کی کوتاہی کرنے والوں کے لئے تنبیہ بلیغ ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے: ''وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ: الفَمُ وَالفَرْجُ''[17] (رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اکثر لوگ کس چیز کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا منہ اور شرمگاہ کی وجہ سے)

یعنی بری باتیں کرنے کی وجہ سے یا لوگوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچانے کی وجہ سے، یونہی بلا وجہ کسی بھی مسلمان کی تحقیر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تقوی یہاں ہے۔ پھر کہا کہ ''بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ''[18] (آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے خون آبرو مال۔)

15- مصدر سابق، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، رقم:67۔

16- مصدر سابق، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم:6474۔

17- ترمذی، الجامع، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الخُلُقِ، رقم:2004۔

18- مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحیح**، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ (بیروت: دار إحياء التراث العربي، س ن)، رقم:2564۔

ان احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمان کو اپنی زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں دینی چاہیے یہی ایک کامل مومن کی پہچان ہے لیکن بدقسمتی سے یہ چیز ہمارے معاشرے میں بہت عام ہو چکی ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر اس کے مظاہر بہت عام ہیں۔ اہل علم اور نامور محققین حضرات کی گفتگو اور سوشل میڈیا کی پوسٹس ایسی جارحانہ ہوتی ہیں کہ ان پر سوائے افسوس کے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اس تمام صورت حال سے اجتناب و اعراض وقت کی اہم ضرورت ہے اور یہ فرمودات نبوی ﷺ بھی ہمیں یہی درس دے رہے ہیں۔

2- بظاہر ناشائستہ لیکن حقیقت پر مبنی الفاظ

لسانی جارحیت کی اس قسم میں ایک شخص اپنے مدمقابل کو اپنا ردعمل ان الفاظ کی صورت میں دیتا ہے جو بظاہر ناشائستہ یا نازیبا و نامناسب ہوتے ہیں لیکن یہ الفاظ حقیقت کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی موٹے شخص کو موٹا، بونے کو بونا، اندھے کو اندھا، گونگے کو گونگا، توتلے کو توتلا، کنجوس کو کنجوس، بزدل کو بزدل، دیہاتی کو دیہاتی یا کسی کو اس کے پیشے یا قوم کے لحاظ سے عار دلانا اگرچہ امر واقعہ کے اعتبار سے صحیح اور درست ہوتا ہے لیکن اخلاقی طور پر اس طرز عمل کو پسند کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس طرح کا کلام میاں اور بیوی کے درمیان بالعموم ملتا ہے جہاں شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی شوہر کو مختلف باتوں پر طعنے دیتی رہتی ہے اور ایسی طعن و تشنیع کو احادیث مبارکہ میں سخت ممنوع و مذموم قرار دیا گیا ہے۔[19] اللہ کے نبی ﷺ کا اس طرح کی گفتگو کے بارے میں طرز عمل کیا تھا؟ اس کو درج ذیل حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن نبی کریم ﷺ سے (ان کی دوسری بیوی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بابت) عرض کیا: آپ کے لئے صفیہ کا ایسا ایسا ہونا کافی ہے۔ بعض راویوں نے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد یہ تھی کہ وہ پستہ قد ہیں تو آپ ﷺ نے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: **"لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ"**[20] (تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ اس کا ذائقہ بھی بدل ڈالے۔)

---

19 - بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ كُفْرَانِ العَشِيرِ وَهُوَ الزَّوْجُ، وَهُوَ الخَلِيطُ، مِنَ المُعَاشَرَةِ، رقم: 5197۔

20- ابو داؤد سلیمان بن اشعث، **السنن**، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ فِي الْغِيبَةِ (بیروت: المكتبة العصرية، صيدا- س ن)، رقم: 4875۔

لہٰذا ایک مومن کو ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے کہ یہ ناپسندیدہ اعمال میں سے ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو شخص گالی گلوچ کرنے والے، انھوں نے جو کچھ کہا سب کا وبال اس کے ذمہ ہے جس نے شروع کیا ہے، جب تک مظلوم تجاوز نہ کرے۔[21] جتنا پہلے نے کہا، اس سے زیادہ نہ کہے۔یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو گالی دے۔یہ اس وقت ہے کہ جب وہ شخص اپنے غصے پر باوجود کوشش ضبط نہ کر سکے تو صرف اتنا کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کو برا بھلا کہنا ہی چاہتا ہے تو نہ اس پر افترا کرے، نہ اس کے والدین کو گالی دے، نہ اس کی قوم کو گالی دے، ہاں اگر اس میں ایسی بات ہے جو اس کے علم میں ہے تو یوں کہے کہ تو بخیل ہے یا تو بزدل ہے یا تو جھوٹا ہے یا بہت سونے والا ہے۔[22] خیال رہے کہ اتنا بدلہ لینے کی اجازت ہے جتنی بد اخلاقی اس نے کی ہو لیکن اس صورت میں بھی تمیز اور شائستگی کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ورنہ شریعت اسلامیہ کی تعلیمات یہی ہیں کہ ایسا شخص اپنے غصے کو قابو میں رکھے اور اسے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[23] (اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے)۔

چنانچہ عفو و درگزر کا دامن تھاما جائے اور اپنی زبان کو بُری باتوں سے روکا جائے۔حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ نجات کیا ہے؟ فرمایا اپنی زبان کو بری باتوں سے روک رکھو۔[24]

3- ناشائستہ لیکن فحش گوئی سے پاک الفاظ

اس سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو اخلاق سے گرے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں ایک شخص دوسرے شخص کے لئے بیان کرنا معیوب سمجھتا ہے۔ لیکن یہ فحش گوئی سے مبرا ہوتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کے ایسے عیوب بیان کرنا جو

21- مسلم، **الصحیح** ، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب النهي عن السباب، رقم:2587۔

22- ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، **المعجم الكبير** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1983ء)، رقم:7030۔

23- القرآن 3:134۔

24- ترمذی، **الجامع** ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم:2406۔

صرف وہ جانتا ہو یا اس کی ان غلطیوں و گناہوں کی نشاندہی جن سے وہ رجوع کر چکا ہو۔ یہ اگر چہ فحش گفتگو میں تو داخل نہیں ہے لیکن اخلاقیات کے اصولوں کے سخت خلاف ہے۔ سستی شہرت کے حصول کے لیے، بدلہ چکانے، دل کی بھڑاس نکالنے یا کسی کو بدنام کرنے کے لیے ایسی حرکات معاشرے میں پہلے ہی عام تھیں لیکن سوشل میڈیا نے اسے مزید بڑھاوا دے دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے افعال و اعمال کی بجائے مومن کی پردہ داری کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''لَا يَسْتُرُ اللهُ عَلَى عَبْدٍ فِي الدُّنْيَا، إِلَّا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''[25](جو بندہ دنیا میں کسی بندے کے عیب چھپائے گا قیامت کے دن اللہ اس کے عیب چھپائے گا۔)

لہذا ہمیں کسی کے عیب اچھالنے کی بجائے اس کو چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص اپنے اس گناہ سے توبہ کر چکا ہو اور کوئی اس کو عار دلائے تو اسے جواباً عار نہ دلائے بلکہ صبر کرے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''وَإِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيكَ، فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ، فَإِنَّمَا وَبَالُ ذَلِكَ عَلَيْهِ''[26](اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور ایسے عیب سے عار دلائے جو تم میں وہ جانتا ہے تو تم اسے اس کے ایسے عیب سے عار نہ دلاؤ جو تم اس میں جانتے ہو اس کا وبال اس پر ہے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو اپنے کسی دینی بھائی کو اس کے کسی ایسے گناہ پر عار دلائے گا جس سے وہ توبہ کر چکا ہو تو عار دلانے والا اس وقت تک نہیں مریگا جب تک کہ وہ خود اس گناہ کو نہ کر لے۔[27] اسی طرح اس گفتگو کی مثالوں میں کسی کو گدھا، کتا، بندر، سؤر یا جانور وغیرہ کہنا بھی داخل ہے۔ اس گفتگو کے مظاہر انٹرنیٹ (Internet) پر مختلف مکالموں کے دوران اور روزمرہ زندگی میں حاکم اور ماتحت کے درمیان، استاد اور طالب علم کے درمیان اور پڑھے لکھے معاشرے میں عموماً نظر آتے ہیں جہاں فحش گوئی اور بے حیائی سے تو کام نہیں لیا جاتا لیکن کسی کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی جاتی۔ آج کل ٹی وی چینلز پر موجود مشہور (Talk Shows) ٹاک شوز کے کچھ رابطہ کار (Anchors) دانستہ طور پر ایسی بات چیت کرتے ہیں جس کے ذریعے تیز و

25- مسلم، **الصحیح**، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ بِشَارَةِ مَنْ سَتَرَ اللهُ تَعَالَى عَيْبَهُ فِي الدُّنْيَا، بِأَنْ يَسْتُرَ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ، رقم: 71(2590)۔

26- ابوداوٗد، **السنن**، کتاب اللباس، بَابُ مَا جَاءَ فِي إِسْبَالِ الْإِزَارِ، رقم: 4084۔

27- ترمذی، **الجامع**، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم: 2505۔

تند گفتگو ہو اور پھر بات گالم گلوچ یا ہاتھا پائی تک پہنچے اور یوں ان کے پروگرام کی ریٹنگ زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔ یہ حرکت سخت معیوب و ناپسندیدہ اور گناہ ہے۔ مسلمانوں کو تو صلح صفائی کروانے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ جلتی پر تیل ڈالنے کا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان کا مقصد ان کی شکم پری ہو گی اور ان کا دین ان کی خواہش نفسانی اور ان کی تلوار ان کی زبان ہو گی۔[28] ایسی گفتگو کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾[29] (اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔)

اس آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک شخص ایک قوم کا مہمان بنا اور انہوں نے اچھی طرح اس کی میزبانی نہ کی، جب وہ وہاں سے نکلا تو اُن کی شکایت کرتا ہوا نکلا۔[30] اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب ایک شخص سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں زبان درازی کرتا رہا، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ خاموش رہے مگر وہ باز نہ آیا تو ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دے دیا۔ اس پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص مجھے برا بھلا کہتا رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا اور میں نے ایک مرتبہ جواب دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے۔ ارشاد فرمایا ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا اور جب تم نے جواب دیا تو فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔[31] بہر حال ایسی گفتگو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سخت خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار تو ایسا تھا کہ بدترین کافر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو جاتے تھے جو ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل لیتا وہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہو کر رہ جاتا۔ اس طرح کے الفاظ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل کے لیے کہا تھا کہ

28- عبدالوہاب شعرانی، تنبیہ المغترین (کراچی-لاہور: ادارہ اسلامیات، 1427ھ)، 234۔

29- القرآن 148:4۔

30- ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد البیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 1418ھ)، 105:2۔

31- احمد بن حنبل، المسند (بیروت: مؤسسة الرسالة، 1421ھ)، رقم: 9624۔

مجھے کتے نے قتل کر دیا یا کتے نے کاٹ کھایا۔[32] مگر اس دور میں اور آج کے معاشرے میں بہت فرق ہے اور یہ ایک نادر الوقوع صورت ہے اور ان کی ساری زندگی میں ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ نے بوقت موت درد و تکلیف کی شدت سے کہے ہوں گے اس لیے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ لہذا اس طرح کے واقعات کو دلیل بنانے کی بجائے سیرت النبی ﷺ کی روشن اور زریں صورتوں سے استدلال کیا جائے تو زیادہ قرین قیاس ہے۔

4- بہتان اور یاوہ گوئی پر مشتمل الفاظ

شریعت اسلامیہ میں فحش گفتگو کی بڑی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے لیکن بد قسمتی سے اس کے مظاہر آج عام زندگی کے علاوہ مختلف سوشل میڈیا (Social Media)پلیٹ فارمز، فورمز (Forums)، بلاگز(Blogs) اور انٹرنیٹ (Internet) وغیرہ پر اتنے مروج ہو چکے ہیں کہ معمولی مسابقت یا مخالفت کی وجہ سے فحش گوئی، جھوٹ اور بہتان باندھنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا اور بر سر عام اشخاص کی عزت نیلامی پر لگا دی جاتی ہے۔ ایک انگریز مصنف والڈرن کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ پر کی جانے والی یہ جارحیت لسانی جارحیت سے کہیں زیادہ ضرر رساں ہے کیونکہ یہ مستقل اور دائمی شکل اختیار کر گئی ہے، اور گوگل (Google) جیسے سرچ انجنوں کی بدولت فوری طور پر یہ برائی، دنیا بھر کے کروڑوں انسانوں کے لیے دستیاب ہو گئی ہے۔ انٹرنیٹ کے دور میں، جب بہتان کی ویڈیو وائرل(Viral) ہوتی ہے تو لاکھوں ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔[33] جب کہ انٹرنیٹ کے مقابلے میں لسانی جارحیت کی ہلاکت خیزیاں وقتی اور محدود ہوتی ہیں۔ اس لیے انٹرنیٹ پر کہیں زیادہ احتیاط و بصیرت اور مصلحت و دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اقوام متحدہ نے انٹرنیٹ پر نفرت انگیز مواد کو روکنے کے سلسلے میں اقدامات کیے ہیں لیکن پھر بھی اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ ایسی گفتگو یا مواد کے سلسلے میں متفقہ پالیسی بنانا جس کی مدد سے نفرت انگیز مواد کی شناخت کی جا سکے بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ اس سلسلہ میں ہر ویب سائٹ کی اپنی

32- بخاری، **الصحیح**، كتاب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، بَابُ قِصَّةِ البَيْعَةِ، وَالِاتِّفَاقِ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَفِيهِ مَقْتَلُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، رقم:3700۔

33. Jeremy Waldron, The harm in hate speech, (USA: Harvard University Press, 2012), 292.

پالیسی ہے۔ خاص طور پر سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے بارے میں معاملہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جہاں پر ایسے مواد کی شناخت صرف صارفین کے رپورٹ کرنے کی بدولت ہی ہو سکتی ہے۔[34]

ان ذرائع پر کی جانے والی ایسی گفتگو اگر جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہو گی تو وہ اس سے بھی بڑا گناہ ہو گی۔ اس لئے کہ یہ دو گناہوں کا مجموعہ ہے ایک جھوٹ اور بہتان کا دوسرے فحش گفتگو کا۔ اور شب عقبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے جن باتوں کا عہد لیا تھا ان میں یہ بھی تھی کہ وہ کسی دوسرے شخص پر بہتان نہیں باندھیں گے۔[35] بہتان اور جھوٹ کبیرہ گناہ ہیں اور مومن کی شان کے خلاف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا ۔کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پھر عرض کیا گیا، کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر عرض کیا گیا، کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا نہیں۔[36] یعنی مومن بزدل بھی ہو سکتا ہے اور بخیل بھی ہو سکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت جھوٹا بہتان باندھنے والوں کے بارے میں تنبیہ کرتے ہوئے مومنین کو حکم دیتا ہے: ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾[37] (ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے آپ سے نیک گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک صریح بہتان ہے)۔

اور بہتان بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾[38] (جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ بھی علم نہ تھا اور تم اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی سخت بات تھی)۔

---

34 . See: Ignio Gagliardone, Countering online hate speech, (France: UNESCO Publishing, 2015), 29-30.

35– بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: عَلاَمَةُ الإِيمَانِ حُبُّ الأَنْصَارِ، رقم:18۔

36– مالک بن انس، **الموطاء**، باب مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ (ابو ظبی: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية، 1425ھ)، رقم:3630۔

37– القرآن15:24۔

38– القرآن12:24۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ[39] اس بابت تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:" کوئی مومن و مومنہ دوسرے مومن و مومنہ کے متعلق کسی غائب اور طعنہ زن کی بات کا اعتبار نہ کرے۔ یہ بہترین تادیب ہے جس کا بہت کم لوگ لحاظ کرنے والے اور کم لوگ اس کی نگہبانی کرنے والے ہیں کاش تم بھی ایسا شخص پالیتے جو بات سنے اور خاموش رہے اور دوسروں میں اس کو نہ پھیلائے۔ بلکہ اس طرح کہے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے اور دونوں افراد کے لیے مناسب نہیں"۔[40] قاضی ثنا اللہ پانی پتی[41] لکھتے ہیں کہ:" تمام مومن بلکہ ہر مذہب کے علم بردار آپس میں ایک ذات کی طرح ہوتے ہیں۔ لہذا ایمان کا تقاضا ہے تمام مومنوں کے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہیے اور ان پر نکتہ چینی کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ جو لوگ مومنوں کی عیب چینی کریں ان کا دفاع اس طرح کرنا چاہیے جس طرح اپنی ذات کے خلاف حرف گیری کے وقت کیا جاتا ہے"۔[42] خلاصہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی بلکہ اپنی ذات کی طرح سمجھنا ایمان کا

39- آپ کا نام عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی تھا۔ ابو البرکات کنیت اور حافظ الدین لقب تھا۔710ھ میں بغداد شہر میں وفات پائی۔ آپ کا شمار نامور حنفی فقہا میں ہوتا ہے آپ تفسیر، علم الکلام اور اصول میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں اور مختلف فنون میں آپ نے یادگار کتب چھوڑی ہیں۔ عقائد میں **عمدة العقائد في الكلام،** تفسیر میں **مدارك التنزيل وحقائق التأويل،** اصول فقہ میں **منار الأنوار** اور فقہ حنفی میں **الكافي في شرح الوافي** اور **كنز الدقائق** مشہور خلائق ہیں۔ (خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الزرکلی الدمشقی، **الأعلام**، 67:4؛ عمر رضا کحالہ، **معجم المولفین**، 32:6۔

40- ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفي، **مدارك التنزيل وحقائق التأويل** (بیروت: دار الکلم الطیب، 1419ھ)، 492:2۔

41- قاضی ثناء اللہ پانی پتی شیخ جلال الدین کبیر اولیائے چشتی کی اولاد سے ہیں۔ علوم عقلیہ و علوم نقلیہ اور فقہ و اصول میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ علم تفسیر و کلام اور تصوف میں ید طولی حاصل تھا شاہ عبد العزیز آپ کو بیہقی وقت کہا کرتے تھے۔ میر زا مظہر جانجاناں سے بیعت ہوئے جو کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن خدا نے پوچھا کہ میرے لیے کیا لائے ہو تو میں ثناء اللہ کو پیش کروں گا۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: **التفسیر المظھری، مالابدمنه، تذكرة الموتى و القبور، تذكرة المعاد، حقيقة الاسلام، ارشاد الطالبين،** شہاب ثاقب، رسالہ حرمت متعہ، رسالہ حرمت سرود، وصیت نامہ وغیرہ مشہور خلائق ہے۔ رجب 1225ھ میں وفات پائی"۔ (دیکھیے: فقیر محمد جہلمی، **حدائق الحنفیه**، 484)۔

42- محمد ثناء اللہ مظہری، **التفسير المظهري** (کراچی: مكتبة الرشيد، 1412ھ)، 475:6۔

تقاضا ہے اور انہیں اپنے قول و فعل سے تکلیف پہنچانا حرام ہے اور جھوٹ و بہتان باندھنا تو کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں سوشل میڈیا صارفین کے لیے بھی درس ہے کہ انہیں کسی شخص کی عزت و ناموس کو داغدار کرنے والے مواد کو پھیلانے سے باز رہنا چاہیے بالخصوص جب کہ ایسا مواد بے سروپا باتوں پر مشتمل ہو۔

5– ناشائستہ اور فحش الفاظ

آج سوشل میڈیا کے مختلف پلیٹ فارمز فیس بک(Facebook) ، ٹویٹر(Twitter)اور یوٹیوب (YouTube)وغیرہ پر آپ کو اس کے مختلف مظاہر بآسانی نظر آتے ہیں کہ جہاں لوگ تھوڑی سی بھی ناگواری کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو گالیاں دینے پر اتر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیہاتوں، شہروں، غیر تہذیب یافتہ لوگوں، بے تکلف دوستوں میں بھی یہ بیماری ہے بلکہ بعض لوگوں کا تو تکیہ کلام ہی گالی ہوتا ہے ان لوگوں کی زبان اس حد تک فحش اور بے باک ہو جاتی ہے کہ یہ بات بات پر گالیاں دیتے ہیں حتی کہ جانوروں کو بھی گالیاں دینے سے باز نہیں آتے۔ بالخصوص عورتوں میں گالیاں دینے کا رواج ہے۔ بعض مقامات پر تو ماں اور باپ بھی اپنی اولاد کو گالم گلوچ کرنے سے باز نہیں آتے۔ افسوس کہ اس زمانے میں بعضوں کو مسجدوں میں گالیاں بکتے دیکھا جاتا ہے،[43] اور بعض تو منبر پر بیٹھ کر یہ کام کرتے ہیں۔والعیاذ باللہ تعالی۔

ناشائستہ اور فحش الفاظ و گفتگو کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے بلکہ اسلام بڑی سختی سے اس کی مذمت کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کا اخلاق سب سے بہتر ہے اور نبی اکرم ﷺ نہ کبھی فحش گوئی کرتے اور نہ ہی یہ ان کی عادات میں سے تھا۔[44] حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طعن کرنے والا کسی پر لعنت بھیجنے والا، فحش گوئی کرنے والا اور بدتمیزی کرنے والا مومن نہیں ہے۔[45] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، میں آپ ﷺ کے پاس تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا قبیلہ کا یہ بیٹا(یا فرمایا) قبیلہ کا یہ بھائی کیا ہی برا ہے۔ پھر اسے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ پہلے تو آپ نے اسے برا کہا اور پھر اس سے نرمی سے بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ!

43– امجد علی اعظمی، **بہار شریعت**(کراچی: مکتبۃ المدینہ فیضان مدینہ پرانی سبزی منڈی،2008ء)،1:648۔

44– ترمذی،الجامع ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الفُحْشِ وَالتَّفَحُّشِ،رقم:1975

45– مصدر سابق،بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنَةِ،رقم:1977۔

بدترین شخص وہ ہے جسے اس کی فحش گوئی کی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ دیا ہو۔(46) قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو یہاں تک حکم دیا ہے کہ غیر مسلموں کے جھوٹے معبودوں (بتوں) کو بھی گالیاں نہ دو. ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾(47)(اور جن لوگوں کو یہ (مشرک) اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے برا نہ کہہ بیٹھیں۔)

"حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی اس لئے کہ بے حیاء اور فحش گو شخص سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے"۔(48)عبداللہ جدلی کہتے ہیں کہ "میں نے حضرت عائشہ ؓ سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا تو ام المؤمنین ؓ نے فرمایا: آپ ﷺ نہ کبھی فحش گوئی کرتے اور نہ ہی اس کی عادت تھی۔ آپ ﷺ بازاروں میں شور کرنے والے نہ تھے۔ اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے"۔(49)

"حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حیاء اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں۔ فحش گوئی اور زیادہ باتیں کرنا نفاق کے شعبے ہیں۔(50) اللہ کے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے: فحش گوئی سخت دِلی سے ہے اور سخت دلی آگ میں لے جاتی ہے"۔(51)مفتی احمد یار خان اِس حدیثِ پاک کے تحت لکھتے ہیں: " جو شخص زَبان کا بے باک ہو کہ ہر بُری بھلی بات بے دھڑک منہ سے نکال دے تو سمجھ لو کہ اس کا دل سخت ہے اس میں حیا نہیں۔ سختی وہ درخت ہے جس کی جڑ انسان کے دل میں ہے اور اس کی شاخ دوزخ میں۔ ایسے بے دھڑک انسان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کی بارگاہ میں بھی بے ادب ہو کر کافر ہو جاتا ہے۔(52) اس سے پتہ چلتا ہے کہ بدزبانی اور بے حیائی کی باتوں سے ہر وقت پرہیز کریں، گالی گلوچ سے اجتناب کرتے رہیں اور یاد رکھیں کہ

46- مصدر سابق، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُدَارَاةِ، رقم:1996۔

47- القرآن 6:108۔

48- ترمذی، الجامع، بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ، رقم:2002۔

49- مصدر سابق، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم:2016۔

50- مصدر سابق، بَابُ مَا جَاءَ فِي العِيِّ، رقم:2027۔

51- مصدر سابق، بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَيَاءِ، رقم:2009۔

52- احمد یار خان نعیمی، مراۃ المناجیح (لاہور: قادری پبلشرز، اردو بازار، 2005ء)، 6:431۔

اپنے بھائی کو گالی دینا حرام ہے۔[53] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے گالی دیتا ہے"۔[54]

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فِسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے"۔[55] ایک دوسری روایت میں ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فحش کلامی سے بچو، بے شک اللہ تعالی فحش کلامی اور بتکلف فحش کلام کرنے کو پسند نہیں فرماتا۔[56] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے حیائی جس چیز میں ہو گی اسے عیب دار کر دے گی اور حیا جس میں ہو گی، اسے آراستہ کر دے گی"۔[57] "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب لوگوں میں بدتر مرتبہ اس کا ہے جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہو"۔[58] اور ایک روایت میں ہے کہ اُس کے فحش سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا ہو۔[59] اسی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ جو شخص اٹکل پچو سے باتیں کرتا ہو، کثرت سے قسم کھاتا ہو، اپنے بچوں کو یا دوسروں کو گالی دینے کا عادی ہو یا جانور کو بکثرت گالی دیتا ہو جیسا کہ، تانگہ گاڑی والے اور ہل جوتنے والے کہ خوامخواہ جانوروں کو گالیاں دیتے رہتے ہیں ان کی گواہی مقبول نہیں۔[60] مزید یہ کہ جو شاعر ہجو کرتا ہو اُس کی گواہی بھی مقبول نہیں۔[61]

53- احمد رضا خان، **فتاوی رضویہ** (لاہور: رضا فاؤنڈیشن اردو بازار: 2005ء)، 127:21۔

54- ابو محمد حسین بن مسعود بغوی، **شرح السنه**، كتاب البر والصلة، باب الستر (بیروت: المكتب الإسلامى 1403ھ)، رقم: 3518۔

55- بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الأَدَبِ، باب ما ينهى من السباب واللعن، رقم: 6044۔

56- محمد بن حبان، **صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان**، باب ذكر الزجر عن الظلم والفحش والشح (بیروت: مؤسسة الرسالة، س ن)، 589:11، رقم: 5176۔

57- ترمذی، **الجامع**، باب ماجاء في الفحش والتفحش، رقم: 1974۔

58- بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الأَدَبِ، باب لم يكن النبى فاحشا ولا متفحشا، رقم: 6032۔

59- مسلم، **الصحيح**، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب مداراة من يتقى فحشه، رقم: 2591۔

60- محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین، دمشقي حنفي، **رد المحتار على الدر المختار**، باب القبول وعدمه (بیروت: دار الفكر، 1412ھ 1992ء)، 480:5۔

یعنی سخت کلامی ولسانی جارحیت کی وجہ سے ایک شخص گواہی کے بھی قابل نہیں رہتا۔ یہاں ایک بات کا تذکرہ بہت ضروری ہے کہ کچھ لوگ اپنی سخت کلامی وفحش گوئی کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل کو سند بناتے ہیں۔ کہ " جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کے منہ سے یہ سنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان جنگ میں چھوڑ کر چلے جائیں گے تو انہوں نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ سے مجبور ہو کر کہا کہ امْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ (لات کی شرمگاہ چوس) یہ جملہ ایک بہت بری گالی کے طور پر کہا جاتا ہے"۔[62] لیکن ان کا یہ جملہ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حساس معاملے کے لیے بولا گیا تھا جس کو صرف استثنائی حیثیت سے دیکھا جانا چاہیے۔ آج حالات زمانہ بہت مختلف ہیں اور علماء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ عالم کو تو اپنے زمانے کے حالات سے واقف ہونا بہت ضروری ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی[63] لکھتے ہیں: "وَمَنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِأَهْلِ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ"[64] (اور جو اہل زمانہ کے حالات سے واقف نہیں وہ جاہل ہے)

مگر افسوس اس بات کا ہے کہ عوام وخواص اپنے عمومی معاملات کے لیے اس طرح کی باتوں کو بطور ثبوت پیش کر کے اپنی بدزبانی کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ عصر حاضر میں ضرورت اس بات کی تھی کہ عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اعلی اور عمدہ اخلاق وکردار کے ذریعے معاشرے کو ایک احسن نمونہ پیش کیا جاتا نہ کہ اس طرح کی باتوں کے جواز کے لیے قرآن وسنت کے دلائل پیش کیے جاتے۔ دوسرا یہ اس دور میں عرب کا معمول

61- اعظمی، **بہار شریعت**، 946:2

62- بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الشُّرُوطِ، بَابُ الشُّرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ، رقم: 2731۔

63- محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقیؒ ملک شام کے مشہور فقیہ تھے آپ کا شمار اپنے وقت کے نابغہ روزگار اور عبقری حنفی فقہا میں کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو امام الحنفیہ کہا جاتا تھا۔ 1198ھ بمطابق 1784ء میں آپ کی پیدائش دمشق شہر میں ہوئی اور 21 ربیع الثانی 1252ھ بمطابق 1836ء کو شہر دمشق میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں جن میں سے **رد المحتار على الدر المختار على تنوير الأبصار، عقود اللآلي في الأسانيد العوالي، العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، حاشية نسمات الأسحار على شرح إفاضة الأنوار** مشہور ہیں۔ (عمر رضا کحالۃ، **معجم المولفین**، 77:9؛ الزرکلي، **الاعلام**، 42:6)۔

64- ابن عابدین، **رد المحتار على الدر المختار**، 47:2۔

تھا جیسا کہ بکثرت احادیث میں ہے کہ وہ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ [65] جیسے الفاظ کہتے تھے، جو ان کے غصے اور ناراضگی کے اظہار کا ذریعہ تھا۔ اور نہ ہی اسے فحش گوئی قرار دیا جاتا تھا۔ اسی پر ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ﴾ [66] کو قیاس کیا جانا چاہیے۔

خلاصۂ بحث

اسلام ایک مہذب دین ہے اس لیے اس نے لسانی جارحیت و سخت کلامی کو پسند نہیں کیا بلکہ اس کی بعض صورتوں کو تو سنگین جرم ناجائز و حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ اسلام میں تو ایک غیر مسلم سے بھی ایسا رویہ رکھنا درست نہیں ہے چہ جائیکہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں جو کہ معاشرے میں سخت کلامی کو ہتھیار اور آخری حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو تعلیماتِ اسلام اور تعلیمات محمدی ﷺ کے سراسر منافی ہے۔ آپ کے کسی سے لاکھ اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن اس کا جواب سخت کلامی و درشت روئی کی بجائے شیریں کلامی و نرمی سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ الغرض اسلام تحمل و برداشت اور رواداری کا وہ نمونہ فراہم کرتا ہے جو دنیا کا کوئی معاشرہ فراہم نہیں کر سکتا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں کسی شخص کو اپنے قول و فعل سے کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی اور نہ ہی کبھی گفتگو کے ذریعے کسی کا دل دکھایا بلکہ اپنی شیریں زبانی و نرم خوئی کی بدولت لوگوں کے دل جیت لیے۔ اسی لیے امت کو بھی چاہیے کہ وہ سیرت کے اس پہلو پر عمل کرے اور نرمی و خوش اخلاقی کے ذریعے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے۔ متذکرہ بالا باتوں پر اگر شخص واحد عمل کرے تو نہ صرف اس شخص کے اخلاق و کردار مثالی ہو جائیں گے بلکہ لوگ اس سے محبت کرنے والے بن جائیں گے۔ نتیجۃً لوگ اس سے سخت کلامی کرنے کی بجائے خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے۔ اور پورا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن جائے گا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم سخت کلامی و لسانی جارحیت کی بجائے نرم و شیریں گفتگو اور رفق و لطف کے عادی بن جائیں۔

65- بخاری، **الصحیح**، كِتَابُ الأَذَانِ، بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ، رقم:788۔

66- القرآن 13:68۔

سفارشات

1. معاشرے میں ہر گزرتے دن کے ساتھ لسانی جارحیت بڑھتی چلی جارہی ہے۔اس کو ختم کرنے کے لیے سیرت النبی ﷺ سے عفوودر گزر، صبر و تحمل، حلم ورضااور نرمی وشیریں زبانی کے قصص وامثال وپندو نصائح کو فروغ دیا جانا چاہیے۔مزید بر آں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین و صوفیا عظام کے حالات وواقعات سے بھی استفادہ کیاجاناچاہیے۔
2. مادیت پرستی کے اس دور میں انسان کے نزدیک ہر چیز کی قدر، مال و زر سے کی جاتی ہے اس لیے معاشرے میں اخلاقیات کا فقدان ہے جس کی وجہ سے جارحیت پسندی کے عناصر بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ اس ضمن میں آداب گفتگو سکھانے کے لیے تمام تعلیمی اداروں میں باقاعدہ عملی نصاب تعلیم مرتب کیاجائے۔
3. محققین حضرات اس موضوع پر مقالات سپرد قلم کریں اور کانفرنسز و ورکشاپس کے ذریعے لسانی جارحیت کی سنگینی کو واضح کیاجائے۔ نیز تعلیمی اداروں، عملی زندگی و سوشل میڈیاپر موجود خوش اخلاق ونرم زبان افراد کو انعامات سے نوازاجائے تاکہ لسانی جارحیت کا قلع قمع کیاجاسکے۔

مصادر و مراجع

1. القرآن الکریم۔
2. ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفي، **مدارك التنزيل وحقائق التأويل**، بیروت: دار الكلم الطيب، 1419ھ۔
3. ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، **معجم کبیر**، بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1983ء۔
4. ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد جار اللہ زمخشری، **أساس البلاغة**، تحقیق: محمد باسل عیون السود، بیروت: دار الكتب العلمية، 1998ء۔
5. ابو داؤد سلیمان بن اشعث، **السنن ابوداؤد**، بیروت: المكتبة العصرية، 1988ء۔
6. ابو محمد حسین بن مسعود بغوی، **شرح السنه**، بیروت: المكتب الإسلامى 1403ھ۔
7. احمد بن حنبل، **المسند**، بیروت: مؤسسة الرسالة، 1421ھ۔
8. احمد رضا خان، **فتاوی رضویہ**، لاہور: رضا فاؤنڈیشن اردو بازار: 2005ء۔
9. احمد یار خان نعیمی، **مراۃ المناجیح**، لاہور: قادری پبلشرز، اردو بازار، 2005ء۔
10. امجد علی اعظمی، **بہار شریعت**، کراچی: مکتبۃ المدینہ فیضان مدینہ پرانی سبزی منڈی، 2008ء۔
11. **خطابات الكراهية وقود الغضب**، القاہرۃ: مركز هردو لدعم التعبير الرقمى، 2016ء۔
12. خیر الدین بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي، **الاعلام**، بیروت: دار العلم للملايين، 2002ء۔
13. عبد الوہاب شعرانی، **تنبیہ المغترین**، کراچی: ادارہ اسلامیات، 1427ھ۔
14. عمر رضا کحالۃ، **معجم المولفين**، بیروت: مكتبة المثنى۔
15. فقیر محمد جہلمی، **حدائق الحنفیہ**، کراچی: مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن۔
16. قاضی عبد النبی، **دستور العلماء جامع العلوم في اصطلاحات الفنون**، بیروت: دار الكتب العلمية، 2000ء۔
17. لوئیس معلوف، **المنجد**، مترجم مولانا عبد الحفیظ بلیلاوی، لاہور: خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اردو بازار۔
18. مالک بن انس، **الموطا**، ابو ظبی: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية، 1425ھ۔

19. محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین، الدمشقي الحنفي ، رد المحتار على الدر المختار،بیروت: دار الفكر،1412ھ۔
20. محمد بن اسماعیل البخاری،الجامع الصحیح، محقق: محمد زھیر بن ناصر الناصر،بیروت:دار طوق النجاة،1422ھ۔
21. محمد بن حبان البُستي،صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان،بیروت:مؤسسة الرسالة۔
22. محمد بن عیسی ترمذی،الجامع، مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي،1975ء۔
23. محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسینی الزبیدی،تاج العروس من جواھر القاموس، بیروت:دارالھدایہ للنشر والتوزیع۔
24. محمد بن یزید ابن ماجہ،السنن ، تحقیق: محمد فواد عبدالباقي،بیروت:دار إحياء الكتب العربية۔
25. محمد ثناءاللہ مظھری، التفسير المظهري، پشاور: مكتبة الرشيد،1412ھ۔
26. مسلم بن حجاج القشیری،الجامع الصحیح ، بیروت:دار إحياء التراث العربي۔
27. ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن محمد البیضاوی، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، بیروت:دارإحياء التراث العربي، 1418ھ۔
28. وحید الزمان کیرانوی، قاموس الوحید،لاہور:ادارہ اسلامیات۔
29. Jeremy Waldron, The harm in hate speech, Harvard: Harvard University Press, 2012.
30. https://en.wikipedia.org/wiki/Hate_speech.
31. https://www.researchgate.net/publication/323784533.
32. https://www.un.org.

Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(1), 70-95

قرونِ وسطیٰ اور دورِ جدید کی خواتین کا دعوتی کردار: تجزیاتی و تقابلی مطالعہ

The Role of Women of the Middle Ages and Modern Era in *Daʻwah* (Propagation): An Analytical and Comparative Study

Fozia Altaf* Muhammad Ashfaq **[1]
*Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila
**Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila,

Keywords

Daʻwah; Muslim Women; Middle Era; Current Scenario; Methodology

Abstract: *After a brief sketch of Daʻwah, this article aims to discuss the contributions of Muslim women of the middle ages and their struggle in relation to the role of women in the current context. The pivotal point of the paper revolves around the role and contribution of women from the middle era in Daʻwah. The basic sketch of this struggle has been drawn in order to arrive at a possible line of action to be followed by the women of the modern age. Keeping in mind their difficulties facing due to various trends of the prevailing situation. Employing an analytical method, we can know some methodological awareness from different women's scholarships, for example, in the field of exegesis, ḥadīth, fiqh, mystical approaches, as well as pedagogical trends to know what styles and manners are required to be adopted by the women of the modern age in the light of earlier endeavors for Daʻwah, especially from the middle ages. Is there any strategy or set of techniques to be exercised by the women in the present era that may bring into play to enhance Daʻwah struggle in the age of Modernity.*

Ashfaq, M., Altaf, F. (2020). The Role of Women of The Middle Ages and Modern Era in Propagation (Daʻwah): An Analytical and Comparative Study. *Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 70-95.

© 2020 AUJIS. All rights reserved

1. Corresponding Author: Email: m.ashfaq.hrp@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-ʻUlūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

دعوتِ دین حیات ہے اور اسے چھوڑ دینا موت کے مترادف ہے یہ عملِ صالح کی بہترین شکل ہے۔ دین کی باتیں لوگوں کے سامنے وقار اور حکمت کے ساتھ پیش کی جائیں تو لوگ انہیں اپنے لیے اعزاز و سعادت سمجھتے ہوئے قبول کر لیتے ہیں، بیان کردہ پیغام کی حقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں اور تسلیم کر کے دنیا و آخرت کی فلاح ونجات پا لیتے ہیں۔اسی لیے دعوت و تبلیغ، انبیاء کا مشن ہے۔ دعوت باطل کے خلاف ایک خاموش جنگ ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بازیابی کا بہترین نسخہ ہے اور انبیاء کے بعد امت کا فرض منصبی خواہ مرد ہو یا عورت قرن اول میں خواتین کے دعوتی کردار کو امہات المؤمنین کی سیرت میں دیکھا جا سکتا ہے اس موضوع پر مختلف زاویہ ہائے نظر سے کتابیں لکھیں گئیں البتہ اکثر کتب عربی میں ہونے کی بناء پر اردو خواں طبقے کی دسترس سے باہر ہیں۔[1]

کچھ کتب اردو میں ہونے کے باوجود اس موضوع پر سیر حاصل بحث نہیں کرتیں کہ خواتین نے دعوت میں کن اسالیب کو مدّ نظر رکھا؟ ان کا منہج کیا تھا؟ دور جدید کی خواتین کے لیے ان کا کردار کس حد تک معاون ہو سکتا ہے؟ زیر نظر مقالہ میں خواتین کے دعوتی کردار کو تجزیہ و تقابل کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

عمر رضا کحالہ نے "أعلام النساء فی عالمی العرب والإسلام" نے پانچ مجلدات پر مشتمل داعیات خواتین کے ناموں کا حروفِ تہجی کے اعتبار سے ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس عنوان پر کام کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خواتین نے دعوتِ دین سے معاشروں کو علم کی آگاہی کے ساتھ ساتھ کن اسالیب کو مدّ نظر رکھا۔؟ کیا قرونِ وسطیٰ اور اوائل دور میں وسائل اور ذرائع نسبتاً کم ہونے کے باوجود خواتین نے بہتر انداز میں کاوشیں کیں؟ اور ان کا منہج دعوت کیا تھا اور کیا ان کا اسلوب اور طریقِ دعوت دور جدید کی خواتین کے لیے قابل عمل ہے۔ اس مطالعہ میں اس طرح کے سوالات کو مدّ نظر رکھا گیا ہے تاکہ ان کے ممکنہ جوابات میسر آسکیں، دعوتِ دین اور اس عملِ خیر کے تسلسل کا جائزہ لیا جا سکے۔

---

1 ۔ دورِ نبوی ﷺ میں خواتین کی دعوتی رہنمائی کے متعلق محمد حسین عیسی نے "دور المرأة في حمل الدعوة تأصيل شرعي(عصر النبوة)" کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر کیا۔ جس میں امہات المؤمنین اور صحابیات کی دعوتی زندگی اور حلقاتِ علم النساء کا مختصر جائزہ لیا ہے۔اسی طرح ڈاکٹر طاہر مهدي بلّيلي نے ایک آرٹیکل "دور المرأة في الدعوة وإصلاح المجتمع" جس میں خواتین کی دعوتی اور معاشرتی سرگرمیوں کے متعلق شرعی بحث کی گئی۔ دعوتی میدان اور خواتین کے بارے **"امہات المومنین کا دعوتی اسلوب"** از رضیہ شبانہ اچھی پیش رفت ہے۔

دعوتِ دین اور خواتین: ایک مختصر تعارف

اسلام کی اشاعت و ترویج میں خواتین کا کردار ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہا۔ اس اعتبار سے قرونِ وسطیٰ میں بھی خواتین نے قرونِ اولیٰ کے دعوتی تسلسل کو حالات کے مطابق جاری رکھا۔ پہلے دیکھنا یہ ہے کہ دعوت سے کیا مراد ہے؟

ابن منظور کے مطابق دعوت سے مراد کسی کو بلانا، آواز دینا، پکارنا یا دعوت دینے کی طلب رکھنا ہے۔[2]

سید علی جرجانی (م 826ھ) کے مطابق دعوت شرعاً ایک ایسی طلب یا ایسا کلام اور گفتگو ہے جس سے انسان یہ چاہتا ہے کہ سچائی کا اثبات ہو۔ یعنی حق واضح رہے اور اس کی باطل سے تمیز رہے۔[3] کلمہ دعوت "دع وت" قرآن مجید میں دو سو آٹھ مرتبہ مختلف صیغوں اور صورتوں میں آیا ہے۔ جس میں چوالیس مرتبہ اللہ تعالی اور اس کے دین کی طرف بلانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔[4]

علامہ راغب اصفہانی (م502ھ – 1108ء) کے مطابق کسی چیز کی طرف بلانے کا ارادہ کرنا، ترغیب دینا اور کسی چیز کی طرف رغبت دلانا وغیرہ، دعوت کو دعوت کہا جا سکتا ہے۔[5]

ڈاکٹر احمد غلوش کے مطابق دعوت، نشر و ابلاغ دین اور تعلیم دین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک مستقل علم ہے جس کے اپنے خصائص اور اہداف ہیں۔ اس علم کا مقصد لوگوں تک اسلام، عقیدہ، شریعت اور اخلاق پر مبنی تعلیمات پہنچانا ہے۔[6]

ان لغوی اور اصطلاحی مفاہیم سے واضح ہوتا ہے کہ داعی حتی الوسع اپنے ارادہ و مقصد اور سوچ و فکر کو خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو مدعو کے ردِ عمل تک لے جاتا ہے چاہے وہ اسے کلی یا جزوی طور پر قبول کر لے یا انکار کر دے۔ اس سارے عمل کو دعوت کا نام دیا گیا ہے۔

2– محمد بن مکرم بن علی جمال الدین ابن منظور افریقی، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، 14:257–260۔

3– سید ابو الحسن علی بن محمد بن علی الحسانی الجرجانی، **التعریفات** (بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، 2003ء)، 108۔

4– محمد فواد عبد الباقی، **المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم** (تہران: طبع انتشارات اسلامی، 1407ھ)، 330–326۔

5 – ابو القاسم حسین بن محمد الراغب اصفہانی، **مفردات ألفاظ القرآن الکریم**، تحقیق: صفوان عدنان داوودی (بیروت: دار القلم الدار الشامیۃ، 1430ھ – 2009ء)، 1:315۔

6– ڈاکٹر احمد غلوش، **الدعوة الإسلامية أصولها ووسائلها وأساليبها فی القرآن الکریم** (بیروت: مؤسسة الرسالة، 2005ء)، 10–16۔

دعوت دین کے فریضہ کی بجاآوری میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ خواتین اور دعوت دین کی شروعات کے مختلف پہلوؤں کو مندرجہ ذیل عنوان کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

صدر اسلام سے قرونِ وسطیٰ تک دعوتی تسلسل کا مختصر خاکہ

صدر اسلام میں ازواج مطہرات اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے دعوت دین میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا، آپ ﷺ کی دعوتی کاوشوں میں مددگار رہیں اور تشفی کا ذریعہ بنیں۔ ابن اثیر کے مطابق مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ رضی اللہ عنھا نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔[7] حدیث بدء الوحی دلالت کرتی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا وہ اوّل خاتون ہیں جنہوں نے خبرِ نبوت اور نزولِ وحی کا ادراک کیا اور تصدیق کی۔[8] اس طرح رسول خدا ﷺ مددگار دین متین کی بہت بڑی سہولت کار کے طور پر سامنے آئیں۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنھا نے اپنے بھائی کو دین اسلام کی دعوت دی جس پر وہ دین میں داخل ہوئے۔[9] اسی طرح خود خواتین رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتیں کہ یارسول اللہ ﷺ مرد ہم پر سبقت لے جائیں گے تو آپ ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے دن مقرر فرمائے۔[10] حضرت امِ حکیم رضی اللہ عنھا اپنے شوہر کو دین حق کی طرف لانے کے لیے طویل سفر کر کے یمن گئیں۔ حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنھا کی دعوت پر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنھما کا اپنے بیٹے کی جہاد کے موقع پر ہمت بڑھانا، ہند بنت اثاثہ رضی اللہ عنھا کا شاعری کے ذریعہ دعوت دینا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کا اپنے بچوں کی بہترین پرورش کرنا وغیرہ قیامت تک آنے والی داعیاتِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے تعدّد ازدواج کا مقصد، احکام دین کو معاشرے میں پھیلانا اور ازواجِ مطہرات کے ذریعے دعوتِ دین کو راسخ کروانا تھا۔ اشاعت احکام کا

7- عزالدین ابوالحسن علی الجزری ابن اثیر، **الکامل فی التاریخ** (بیروت: المكتبة العلمية، 1965ء)، 2:37۔

8- ابو محمد عبدالملک بن ھشام حمیری، **السیرۃ النبویۃ**، تحقیق: السقا والانباری وشلبی (مصر: مطبع مصطفی البابی الحلبی 1375ھ)، 1:224۔

9- ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشي بصري (م: 774ھ)، **البداية والنهاية** (بيروت: دار الفكر، 1407 هـ - 1986 م) 3: 80۔

10- محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ بخاري، **صحيح البخاري**، تحقیق: محمد زھیر بن ناصر الناصر (بیروت: دار طوق النجاة، 1422ھ)، 9:101۔

اندازہ ازواجِ مطہرات کے دعوتی کردار کا جائزہ ان اشاعت دین کی خدمات سے لگایا جا سکتا ہے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس احادیث معتبر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا روایت اور درایت اور فقہ و فتاوی میں جو مقام و مرتبہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپ کے شاگردوں میں دو سو سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچتی ہے۔ حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کیے جائیں جو انہوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد دیے، تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔[11]

قرآن حکیم کا وہ نسخہ جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، بعد میں امت کے لیے اسی سے ترویج واشاعت کی گئی۔

ڈاکٹر حمید اللہ (م 2002ء) کے نزدیک بھی ازواج نبی ﷺ کی کثرت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خود خواتین اسوۂ نبوی سے استفادہ کر سکیں کہ ایک ہی شوہر کی ایک سے زائد بیویوں کو اپنے شوہر سے اور آپس میں ایک دوسرے سے کیا برتاؤ اور رویہ رکھنا چاہیے۔[12] چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾[13] (اور تم اللہ کی آیتوں اور (رسول ﷺ کی) سنت و حکمت کو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے یاد رکھا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ لطیف اور خبیر ہے۔) اس آیت کے مطابق، امہات المؤمنین کے ذریعے خواتین اسلام کو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول ﷺ کو یاد کرنے، سمجھنے اور پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ عبداللہ یوسف علی کے مطابق وَاذْكُرْنَ سے مراد:

"Read, recite, make known and publish the message. [14]

ترجمہ:　پڑھیں، تلاوت کریں، سمجھیں اور پیغام کو پھیلائیں ہے۔

یعنی ازواج مطہرات کا کام صرف یاد کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے فہم کا ادراک اور اس کی اشاعت کرنا ان کی ذمہ داری میں شامل تھیں۔

11– امام ابن قیم الجوزیہ، أعلام الموقعين (لبنان: مكتبة حارة حريق، س ن)، 1:9۔

12– ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **محمد رسول ﷺ**، ترجمہ و توضیح: پروفیسر خالد پرویز (لاہور: بیکن ہاؤس پبلشر، 2005ء)، ص 255۔

13– القرآن 33:4-34۔

14– Yūsuf 'Alī, 'Abdullah, *The Meaning of the Holy Quran*,11th Ed Beltsville (MD: publications ,2004),1067-

محمد علی صابونی (پ: 1930ء) تعدد ازواج کو تعلیمی و تبلیغی حکمتوں کے تناظر میں دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت محمد ﷺ کے متعدد خواتین سے نکاح کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ خواتین کے لئے کچھ معلمات کو تیار کیا جائے جو انہیں احکام شرعیہ کی تعلیم دیں کیونکہ خواتین معاشرے کا نصف حصہ ہیں اور وہ بھی مردوں کی طرح ان احکام پر عمل کرنے کی پابند ہیں۔"(15)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ عہد رسالت میں معلمین کی طرح معلمات کا بھی تقرر ہوتا تھا۔ حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا شمار بجا طور پر ان میں کیا جاسکتا ہے۔(16) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی تھیں۔ جس کا دعوت سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔

زینب علوانی قرون اولی کی خواتین کے بارے میں لکھتی ہیں:

"Woman have a dynamic role in the initial preservation of The Holy Quran. For instance, an original handwritten copy of the Quran out of which all subsequent copies were made during the first Caliphate, was said to be under the preservation and trust of Hafsa bint Ummar.(R.A)"(17)

قرآنِ حکیم کی ابتدائی حفاظت کے لیے عورت کا جاندار کردار ہے۔ مثال کے طور پر، قرآن کا اصل خطّی نسخہ (جو خلیفہ اوّل کے دور میں مدّون ہوا اور جس کی مدد سے دوسرے نسخے تیار کیے گئے) حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنھا کے پاس محفوظ تھا۔ جلیل القدر اصحاب رسول ﷺ کا ان کی علمی وجاہت کی وجہ سے ان پر اعتبار تھا۔

15- محمد علی صابونی، شبهات وأباطيل حول تعدد الزوجات الرسول صلى الله عليه وسلم (بیروت: المکتبۃ الوقفیۃ، 1980ء)، 14۔

16- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی (کراچی: اردو اکیڈمی، ستمبر 1987ء)، 206۔

17– ‘Alwānī, Zainab, *Muslim Women as Religious Scholars: A Historical Survey, (Chapter) Ednan Aslan, Marcia Hermansen & Elif Medeni (eds.), Muslima Theology: The Voices of Muslim Women Theologians, Frankfurt: Peter Lang GmbH, 2013. 45-58.*

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں خواتین کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع میسر تھے اور دعوت کے میدان میں خواتین نے بھرپور کردار ادا کیا جو بعد میں قرونِ وسطیٰ کی خواتین کے لیے سنگ میل(Milestone)کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ کی خواتین اور دین کی دعوت و تبلیغ

عہد نبوت و خلافت کی طرح بعد میں بھی عورتیں اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مردوں کے شانہ بشانہ حصّہ لیتی رہیں ، عہد بنو عباس میں بھی قابلِ ذکر خواتین گزری ہیں جنھوں نے دین کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ان میں خلیفہ مہدی کی بیوی خیزران اور بیٹیاں عباسہ اور علیہ،ہارون الرشید کی بیوی ملکہ زبیدہ،یحیٰ برمکی کی بیوی ام عتابہ، معتصم باللہ کی بیٹی عباسہ،امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی عباسہ بنت فضل،مامون الرشید کی بیویوں ام عباس اور بوران،حسان بن زید تابعی کی بیٹی ام عمر،حضرت عبد اللہ بن عباس ضی اللہ عنھما کی پڑپوتی زینب الہاشمیہ،معروف بزرگ اور صوفی خاتون حضرت رابعہ بصری اور ان کی والدہ خیرہ رحمۃ اللہ علیھا قابل ذکر ہیں۔[18]

خواتین کی دعوتِ دین میں صوفیاء کا بھی اہم کردار رہا ہے۔خواجہ حسن نظامیؒ کا "تبلیغ نسواں نصاب "بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں گھر،اسلام کا پیغام،خواتین کے لیے تاریخی و مذہبی علوم کا حصول،ارتداد سے بچاؤ،لکھنا پڑھنا،حفظانِ صحت کے اصولوں کا علم،خدمتِ دین اور اس کے لیے عورتوں کی حوصلہ افزائی،تربیت اولاد،خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق و فرائض اور خوشی اور غمی کے مواقع پر غیر شرعی رسومات سے دوری وغیرہ خواتین کے لیے دعوتِ دین کے نصاب کا بنیادی حصّہ تھا۔[19] اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت عنایت الحقؒ کے طرق سے دین کی دعوت اور خواتین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔[20] زیب النساء بنت اورنگزیب،روشن رائے بیگم ہمشیرہ اورنگزیب اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی اہلیہ محترمہ وہ خواتین ہیں جن کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکاتیب سے دعوتِ حق کی روشنی سے مستفید کیا۔[21]

18– کومل اختر،**عہد بنو عباس میں خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ**،مقالہ ایم فل اسلامیہ یونی ورسٹی آف گجرات، سیشن 2013–2015،ص25–120۔

19– Metcalf, Barbara D, *Islam in South Asia in practice*, Princeton University Press USA, 2009, p. 329

20– Ibid,.p 331.

21– ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس،**خواتین کے لیے منہج دعوت و ارشاد (سلسلہ مجددیہ کی تعلیمات کی روشنی میں)**،فکر و نظر، ج48،شمارہ3،ادارہ تحقیقاتِ اسلامی،انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد،(2011)ص133

قدیم تہذیبیں اپنی تمام تر علمی اور تمدنی ترقی کے باوجود "تعلیم سب کے لئے" کے اصول پر متفق نہ ہو سکیں۔ افلاطون اور ارسطو اگرچہ اسے ناانصافی قرار دیتے ہیں کہ عورت کو تعلیم سے محروم رکھا جائے۔ تاہم یورپ میں قرون وسطیٰ میں خواتین کی تعلیم کو نہ صرف یہ کہ معیوب سمجھا جاتا تھا بلکہ مردوں کے بالمقابل ان کی تعلیم کی کوئی اہمیت نہ تھی۔[22] جب کہ مسلم دنیا میں نہ صرف خواتین کی تعلیم پر بھرپور توجہ دی جاتی، بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی۔ "شاہی خانوادے سے تعلق رکھنے والی خواتین نے بھی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں خوب دلچسپی لی۔ انھوں نے مدارس و مساجد کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ طلبا اور علما و فضلا کی بھرپور سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ تاکہ وہ معاشی تفکرات سے بے نیاز ہو کر تصنیف و تالیف اور علمی تحقیق کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ ان خواتین نے اپنی محنت، ذہانت اور ذکاوت کی بدولت ایسا کردار ادا کیا کہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔[23]

ذیل میں قرون وسطیٰ کی چند ایسی خواتین کا ذکر کیا جائے گا۔ جو دین کی عالمہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین واعظہ، شاعرہ اور عارفہ بھی تھیں۔ جن کی کوششوں سے بھٹکے ہوئے لوگ سیدھی راہ پر آئے۔

بی بی فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا: حضرت حسین بن علی کی صاحبزادی تھیں۔ نہایت فصیح و بلیغ اور پُر تاثیر وعظ کرتی تھیں۔ ان کی مجالس میں خواتین کا بڑا مجمع ہوا کرتا تھا۔ اکثر گمراہ بیبیاں ان کے واعظ سے راہ راست پر آجاتیں تھیں۔[24]

حضرت نفیسہ بنتِ حسن رضی اللہ عنہا (154ھ-208ھ): آپ رضی اللہ عنہا سیدنا امام حسن کی پڑپوتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر اور حدیث میں بھی کمال حاصل تھا۔ "نفيسة العلم و المعرفة" کے لقب سے مشہور تھیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ آپ کے ہم عصر تھے۔ وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علمی معاملات پر گفتگو کرتے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے امام مالک سے موطا امام مالک پڑھی۔ آپ کو تفسیر قرآن پر مکمل عبور تھا۔[25] آپ رضی اللہ عنہا نے تیس مرتبہ حج کیا تھا۔[26]

22– Baberino, Francesco: *Encyclopedia of Education*, London, 1973, vol.3, P.

23– محمود، محمد ریاض، مہتاب اعظم، **عہد مغلیہ میں مسلم خواتین کی دینی و سماجی خدمات: تجزیاتی مطالعہ**، فکر و نظر شمارہ 4، جلد نمبر 54۔

24– طالب ہاشمی، **تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین**، (لاہور: البدر اسلامک پبلیشر، س ن) ص 232۔

25– ابو عبداللہ شمس الدین الذهبي، سير أعلام النبلاء (بیروت: دار الرسالة، 1985ء)، 1:106۔

سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا نے جب مصر میں سکونت اختیار کی ان کے ہمسائے میں ایک ذمی رہتا تھا۔ جس کی بیٹی کو ایک لاعلاج بیماری تھی آپ رضی اللہ عنہا کی دعا سے وہ لڑکی صحت یاب ہوگئی۔ جس کی وجہ سے اس کے ماں باپ دین اسلام میں شامل ہو گئے۔[27] اس سے واضح ہوتا ہے کہ زہد و تقوی سے مزیّن کردار ہی داعی کی دعوت کو موثر بناتا ہے۔ جس سے مدعوین بلا جھجک دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

سیدہ خدیجہ جیلانی رضی اللہ عنہا: شیخ ابی عبد اللہ بن شیخ یحیٰ زاہد رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ علم وعرفان کی دولت سے مالا مال، فصیح و بلیغ واعظہ اور نہایت ہی عبادت گزار اور پرہیز گار خاتون تھیں۔ ان کے مواعظ نہایت پُر تاثیر ہوتے تھے جن کو سُن کر گم گشتگان راہِ راست پر آجاتے تھے۔[28]

فاطمہ بنت الاقرع رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا مشہور زمانہ عالمہ و فاضلہ تھیں۔ انھوں نے بہت سے اساتذہ کے حلقہ درس میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہا بہترین کتابت کیا کرتیں، جس پر وہ اکثر انعام واکرام سے نوازا جاتا۔[29] علم و فضل اور کتابت دعوت دین کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔

بی بی کریمہ بنتِ احمد مروزی: آپ رحمۃ اللہ علیھا احمد بن محمد بن ابی حاتم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا شمار پانچویں صدی کی شہرہ آفاق عالمات میں ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی راویہ اور مشہور محدثہ تھیں۔ سالہاسال تک دینی علوم کی تحصیل کرتی رہیں۔ مکّہ معظمہ میں حدیث کا درس دیا کرتی تھیں۔ علامہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ میں نے 463ھ میں حج کے ایام میں بی بی کریمہ رحمہا اللہ سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔[30]

بی بی ست العماء شامیہ: چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ممتاز واعظہ گزری ہیں۔ شام کی رہنے والی تھیں۔ جملہ دینی امور پر گہرا عبور رکھتی تھیں۔ نہایت خوش الحان اور شیریں بیان تھیں۔[31]

بی بی جوہرہ: چھٹی صدی ہجری کی مشہور واعظہ تھیں۔ انھوں نے شیخ ابو الخبیب اور شیخ ابو الوقت جیسے علما سے علمِ حدیث حاصل کیا تھا۔ اکثر بغداد کی خواتین کو جمع کر کے ان کے سامنے فصیح و بلیغ وعظ و نصیحت کرتی۔[32]

26- ڈاکٹر احمد شبلی، **تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ** (لاہور: کمبائن پرنٹرز، 1989ء)، 254۔

27- پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ، مترجم عنایت اللہ، **دعوت اسلام** (لاہور: رشید احمد چودھری پبلیشر، 1972ء)، 388۔

28- طالب ہاشمی، **تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین، ص** 213۔

29- ابن اثیر، **الکامل فی تاریخ**، مطبوعہ لیڈن 1851، ص 107۔

30- ابو البرکات کمال الدین عبد الرحمن بن محمد انباری، **نزهة الألباء في طبقات الأدباء** (قاہرہ: 1294ھ)، ص 247۔

31- نفس مصدر، ص 251۔

بی بی خدیجہ بنتِ قیم (م669ھ): اپنے دور کی اعلیٰ درجے کی واعظہ اور عالمہ گزری ہیں۔ بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ ان کے والد نے ان کے حصولِ علم میں بہت حوصلہ افزائی کی۔ مصر کر مروجہ علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بغداد میں مسند درس بچھائی اور سالوں تک درس و تدریس اور واعظ و تبلیغ میں مشغول رہیں۔ نہایت ہی پرُ اثر وعظ کرتیں بہت ساری خواتین نے ان کے علم سے استفادہ کیا۔[33]

بی بی عائشہ بنت محمد (م816ھ): دمشق کی نامور محدثہ اور واعظہ تھیں۔ ان کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے علم حدیث کے اسباق پڑھے۔[34]

بی بی خدیجہ بنتِ احمد: نویں صدی ہجری میں یگانہ روزگار عالمہ ہوئیں ہیں۔ انھوں نے ذرا ہوش سنبھالا تو تحصیل علم میں مشغول ہو گئیں۔ ان کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالمِ دین نے ان سے حدیث کا درس حاصل کیا تھا۔[35]

بی بی شمس النساء: حیدر آباد دکن کی رہنے والی تھیں۔ عربی اور فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ قرآن اور تفسیر میں ماہرانہ دسترس کے ساتھ حدیث کی مسانید پر گہری نظر رکھتی تھیں۔ اکثر عورتوں کے مجمع میں واعظ و نصحیت کیا کرتی تھیں۔ زندگی کا آخری حصّہ واعظ و نصحیت میں ہی گزارا۔[36]

علاوہ ازیں کئی تاتاری شہزادوں نے اپنی بیویوں کی ترغیب سے اسلام قبول کیا اور یہی صورت ان بت پرست ترکوں کے ساتھ بھی پیش آئی جو اسلامی ملکوں پر یورشیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح تاتاری عورتیں بھی اسلام کی اشاعت میں اہم کردار کی مالک تھیں۔ قرون اولیٰ میں عرب خواتین لوگوں کے لیے مشعل راہ تھیں۔ البتہ قرون وسطیٰ میں خواتین کو وہ تمام مواقع میسر نہ آسکے لیکن وہ خواتین جن کو مواقع میسر تھے انھوں نے ہر شعبہ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں میں پسماندگی زیادہ تھی۔ مگر ان کے دعوتی جذبہ کی کئی امثلہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں۔

32- نفس مصدر، ص255۔

33- نفس مصدر، ص،266۔

34- آفندی، ذہنی، **مشاہیر نسواں** (لاہور: اسلامک پبلیشرز س ن)، 21۔

35- طالب ہاشمی، **تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین**، 364۔

36- سید محمد سلیم، **مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات**، 579۔

یونیورسٹی آف ابدان، نائیجیریا کے ایل۔او۔عباس لکھتے ہیں کہ دمشق میں بارہویں اور تیرویں صدی عیسوی میں ایک سو ساٹھ(160) مساجد اور مدارس کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں چھبیس(26) مساجد و مدارس خواتین کی طرف سے تعمیر کردہ تھے اور ان اداروں کے سرپرستوں میں سے نصف خواتین تھیں۔(37)

مندرجہ بالا خواتین بہترین عالمہ، واعظہ، عبادت گزار، متقی، پرہیز گار اور داعیات دین تھیں جن کے کردار سے متاثر ہو کر لوگ راہ حق میں شامل ہوئے۔یہ وہ چنیدہ خواتین تھیں جنھوں نے قرون وسطیٰ میں اپنی علمی اور دینی خدمات سر انجام دیں۔

اس طرح خواتین کی ایک بڑی تعداد نے اپنے وقت اور حالات کے لحاظ سے کام کیا ان میں سے چند خواتین کے دعوتی کردار کو مندرجہ ذیل جدول میں یکجا دیکھا جاسکتا ہے۔(38)

نمبر شمار	نام	دعوتِ دین کے لیے قرونِ وسطیٰ کی خواتین کا کردار	سنِ وفات
1	حفصہ بنت سیرین	۔بارہ سال کی عمر میں قرآن پڑھ لیا، اور چودہ سال کی عمر میں قرآن حکیم کو معانی و مطالب کے ساتھ حفظ کر لیا تھا۔فن تجوید اور فن قرات میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ عظیم محدثہ تھیں۔یحیٰ بن معینؒ نے آپ کو ثقہ قرار دیا اور آپ نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔	101ھ
2	صفیہ بنت الحارث العبدریہ	عظیم محدثہ تھیں۔علم حدیث کی اشاعت و ترقی کے لیے کام کیا۔ان کی روایات صحاح ستہ میں ہیں۔	110ھ
3	زبیدہ بنت جعفر بن المنصور	نیک دل اور مہربان خاتون تھیں۔اپنے محل میں اپنی خادمہ میں سو (100) خواتین کو حفظِ قرآن سے مستفید کیا۔ دین سے شغف کی وجہ سے ایک مسجد ان کے نام موسوم کی گئی۔	216ھ
4	مہریہ بنت الحسن التمیمی	نامور شاعرہ تھیں۔اس کے ساتھ ساتھ نے عربی علوم بھی حاصل کیے۔	291ھ
5	ام عیسی بنت ابراہیم الحربی	عالمہ، فاضلہ تھیں اور فقہ میں بھی ملکہ حاصل تھا۔	328ھ

37– L. O. Abbas, "Islam and Modernity: The Case of Women Today," *Cultural and Religious Studies USA*, Vol. 2, No.5 (Sep.-Oct. 2014), 297-305. http://www.davidpublisher.org/

38– عمر رضا کحالہ، أعلام النساء فی عالمی العرب والإسلام، ج،5،4،3،2،1(مندرجہ بالا خواتین کا تذکرہ ان کے نام کے پہلے حرف کے لحاظ سے ان مجلدات میں دیکھا جاسکتا ہے۔)

6	طاھرہ بنت احمد بن یوسف الازرق التنوخیہ	محدثہ اور فقیہ میں سے تھیں۔ الخطیب بغدادی نے ان سے سماع کیا تھا۔	436ھ
7	فاطمہ بنت الحسن بن علی الدقاق	محدثہ، عابدہ اور اصلاحی کام کرنے والی تھیں۔ آپ نے بڑی تعداد میں ہم عصر علما سے علم حاصل کیا اور روایات لیں۔	480ھ
8	زینب بنت عبد الرحمن بن الحسن الجرجانی	عالمہ، فاضلہ اور محدثہ تھیں۔ انہوں نے زمخشری سے اجازت حاصل کی اور حفاظِ حدیث سے علم حاصل کیا۔	615ھ
9	نخوہ بنت محمد النصیبیہ	محدثہ تھیں۔ آپ نے یوسف بن خلیل سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ آپ روایت میں انفرادی مقام رکھتی ہیں۔	719ھ
10	زاہدہ بنت محمد بن مبارک بن الخلیفہ المستعصم باللہ العباسی	شاعرہ اور عالمہ تھیں۔ اپنی شاعری اور تدریس کے ذریعے لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کیا۔ آپ کا گھر اہل علم کا ٹھکانہ تھا۔ مسجد زاہدہ آپ کے نام سے موسوم ہے۔	729 ھ
11	زینب بنت احمد بن عبد الرحیم المقدسیہ	محدثہ تھیں۔ بہت سے علما سے سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ آپ نے علمِ حدیث دمشق، مصر، قدس اور مدینہ منورہ سے حاصل کیا	740ھ
12	عائشہ بنت ابراہیم بن الصدیق	محدثہ، فاضلہ، قرآن کی قاریہ اور حافظہ تھیں۔ ابن کثیر کے مطابق آپ کثرت سے عبادت، روزہ اور اعمالِ صالحی کا اہتمام کرتیں اور قرآن فہمی میں مردوں پر فضیلت رکھتی تھیں۔	741ھ
13	نارنج بنت عبداللہ	محدثہ تھیں۔ صحیح مسلم کا درس ابنِ عبدالدائم سے لیا اور عز بن جماعہ سے علم حدیث حاصل کیا۔	741ھ
14	مونسہ بنت محمد بن علی بن البیطار	ادیبہ، فاضلہ اور شاعرہ تھیں۔ اپنے وقت کے شہرہ آفاق شاعروں سے سماع کیا ہے۔	749ھ
15	عائشہ بنت محمد بن عبد الھادی بن عبد الحمید بن عبد الھادی مقدسیۃ	محدثہ تھیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان سے احادیث روایت ہیں۔ کتابت کرتی تھیں اور پڑھاتی بھی تھیں۔	816ھ
16	فاطمہ بنت احمد بن یحیی	عالمہ، فاضلہ اور فقیہ تھیں۔ دین کی سمجھ رکھتی تھیں۔ احکام شریعہ استنباط کرتی تھیں۔ آپ کے خاوند امام تھے اور طلبا کو درس دیتے اور دینی امور میں مسائل کی وضاحت اپنی بیوی سے سمجھتے۔	840ھ
17	زینب بنت عبداللہ بن اسعد الیافعی	علما وقت نے انھیں علم احادیث کے لیے اجازت دی تھی۔ ان سے احادیث روایت کی جاتی تھیں۔ ابن امیلہ، اصلاح بن ابی عمرو وغیرہ سے	847ھ

		آپ کو اجازت حاصل تھی جب کہ بعد کے علما نے آپ سے علم حاصل کیا۔	
18	زلیخا بنت ابرہیم بن محمد الماضیہ	اپنے وقت کی بہترین محدثہ اور معاشرے کی اصلاح کرنے والی داعیہ تھیں۔	867ھ
19	سارہ بنت عمر بن عبد العزیز بن محمد	آپ عالمہ تھیں۔بہت سے علما سے سماعت کی۔پڑھانے کا بہترین منہج وضع کیا اور علمی دولت آگے منتقل کی۔امام سخاویؒ نے فرمایا کہ مصر ان کے جانے سے علم روایت میں موت کا شکار ہو گیا۔	855ھ
20	عائشہ بنت الحریری	قرآن کی قاریہ تھیں۔آپ نے اپنا تمام مال فقراء کے لیے وقف کر دیا تھا۔	878ھ
21	زینب بنت ابرہیم بن محمد بن احمد الشنوھی	بہترین قاریہ اور عظیم محدثہ تھیں۔بہت سے علما سے انھیں اجازت تھی۔آپ کتابت کے فن سے بھی آگاہ تھیں۔	879ھ
22	کلثوم بنت احمد السیوطیہ	عالمہ، فاضلہ اور حافظہ قرآن تھیں۔	900ھ
23	عزیزہ بنت احمد بن محمد بن عثمان دای	حافظہ قرآن تھیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تقاضوں سے واقف تھیں۔	1080ھ
24	فاطمہ بنت حمیدہ بنت محمد ابرویہ	اپنے وقت کی بہترین عالمہ فاضلہ اور عابدہ تھیں۔	1102ھ
25	قریش بنت عبدالقادر الطبریہ المکیہ	اہل مکہ میں سے بہترین فقیہہ اور عالمہ بالحدیث تھیں۔	1107ھ
26	زبیدہ بنت اسد القسطنطنیہ	قرآن کی قاریہ، شاعرہ، فقہ و ادب میں مہارت اور مختلف زبانوں کی ماہرہ تھیں۔	1194ھ
27	جہان بنت قاسم بن سلیمان	ادیبہ اور ناظمہ ہونے کے ساتھ ساتھ کتابت بھی کرتی تھیں۔	1290ھ
28	بنت عیسی بن محمد شالجبی	ادیبہ، صالحہ اور زاھدہ تھیں۔	1318ھ
29	مُنی بنت احمد الاسدیہ	عالمہ، فاضلہ اور صالحہ تھیں۔	1316ھ
30	ام محمد رضا الخالصی	ادیبہ، صالحہ اور زاھدہ تھیں۔	1370ھ

31	ھاشمیہ بنت محسن الصائغ	زاہدہ، ادیبہ فاضلہ تھیں اور حکیمانہ دعوت سے آشنا تھیں۔	1375ھ

مندرجہ بالا خواتین عالمہ، فاضلہ، ادیبہ، شاعرہ، فقیہ اور عالمہ بالحدیث، قرآن کی قاری، فقہ و ادب میں مہارت اور بعض مختلف زبانوں کی ماہر، صالحہ، زاھدہ اور بعض حکیمانہ اسلوب کو اچھی طرح جاننے والی تھیں۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد نے علمی میدان کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ میں بھی اپنا کردار کیا۔ جو اپنے وقت کی بہترین معلّمات اور واعظات رہیں۔ شاعری بھی دعوت و تبلیغ کا موثر ذریعہ ہے۔ دور اولی میں خواتین نے شاعری کو دین کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ اس کے علاوہ ایک خاصی تعداد ایسی خواتین کی تھی جنھوں نے فوجی خدمات بھی سر انجام دیں۔ محمود شاکر کے مطابق قرون وسطیٰ میں بہت سی خواتین نے دین کی حفاظت کے لیے فوجی خدمات بھی انجام دیں۔ منصور کے عہد میں علی بن عبد اللہ بن عباس کی صاحبزادیاں، ام عیسیٰ اور لبابہ، لباس حرب میں ملبوس اسلامی افواج کے ساتھ بازنطینی علاقہ کی طرف سفر کیا۔ ہارون کے دور میں بھی یہ شہزادیاں گھوڑوں کی رکھوالی اور فوجیوں کی میدان جنگ میں دیکھ بھال کرتی تھیں۔[39] ان خواتین کے بارے میں آرنلڈ لکھتا ہے:

> *"It is interesting to note that the propagation of Islam has not been the work of men only, but that Muslim women have also taken their part in this pious task. Several of the Mongol princes owed their conversion to the influence of a Muslim wife, and the same was probably the case with many of the pagan Turks when they had carried their raids into Muhammadan countries"*.[40]

یہ دلچسپ بات ہے کہ اسلام کے پھیلاؤ میں نہ صرف مردوں کا کردار ہے بلکہ اس کارِ خیر میں خواتین نے بھی حصہ لیا۔ کئی منگولی شہزادے اپنی مسلمان بیوی سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہی حال ترک مظاہر پرستوں کا بھی ہوا جب وہ یورش کرنے کی غرض سے محمدی (اسلامی) ممالک میں داخل ہوئے۔

39– محمود شاکر، **تاریخ الاسلام**، الجزالثانی، ص، 431

40– Arnold, T.W. *"The Preaching of Islam : History of the Propagation of the Muslim Faith"* Archibald Constable & Co 1896, p.334-

آج بھی وقت خواتین سے مثبت کردار کا طالب ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ، عہد صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین اور قرونِ وسطیٰ کی خواتین نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنا کردار ادا کیا۔ جن کی جدوجہد، عملِ خیر کی ترغیب اور دعوت کا تذکرہ کیے بغیر مسلم دنیا کے عروج کا سفر اور منزل ادھورے رہ جاتے ہیں۔

دعوتِ دین اور عصر حاضر کی خواتین

عصرِ حاضر میں خواتین کو دعوت کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالی جائے۔ ہمارے پاس امہات المؤمنین، صحابیات، بعد کی صالحاتِ امت اور قرونِ وسطیٰ کی خواتین کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ جنہوں نے دعوت و اقامت دین کی جدوجہد میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اسلام نے اپنے ابتدائی زمانہ میں جس قدر حالات کے پیچ وخم دیکھے۔ ان میں یہ تمام خواتین قدم بقدم ساتھ رہیں۔ مردوں کی طرح انہوں نے بھی اپنا گھر بار چھوڑا۔ رشتہ داروں اور قرابت داروں سے دوری اختیار کی اور اپنے مال ومتاع سے دین حق کی امداد کی۔ امہات المؤمنین، صحابیات اور دیگر داعیات کا امت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ دین کا ایک اہم حصہ ہم تک انہیں کے ذریعے پہنچا۔ ان کی زندگیاں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں کہ انہوں نے کیسے گھر میں اور گھر سے باہر معاشرے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

عصر حاضر میں عورت مختلف طریقوں سے معاشرے میں دعوت و تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔ کچھ خواتین اور تحریکیں ایسی ہیں جنہوں نے باقاعدہ طور پر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا ہے ان میں سے ڈاکٹر فرحت ہاشمی[41]، محترمہ مریم جمیلہ (1934-2012)[42]، قلم کار ام عبد منیب[43] اور منہاج القرآن ویمن لیگ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ محترمہ

41- ڈاکٹر فرحت ہاشمی 22 دسمبر 1957ء کو پاکستان کے شہر سرگودھا میں پیدا ہوئیں۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی زبان میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد ڈاکٹریٹ کی سند گلاسگو یونیورسٹی اسکاٹ لینڈ سے لی۔ آپ ایک اسلامی سکالر ہیں، 1994ء میں انہوں نے الہدیٰ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اس کے علاوہ 2004ء میں انہوں نے ٹورنٹو میں الہدیٰ انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی۔

42- مریم جمیلہ کا پیدائشی نام مارگریٹ مارکس تھا۔ آپ 23 مئی 1934ء کو نیو یارک کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ آپ معروف مصنفہ، صحافی، شاعرہ اور مضمون نگار تھیں۔ جمیلہ نے 24 مئی 1961ء کو اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے متعلق کتب تحریر کیں۔ وہ محمد پکتھال کے ترجمہ قرآن اور محمد اسد کی یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے سے بے حد متاثر تھیں۔

مریم جمیلہ (1934-2012) نیویارک کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ پاکستان آگئیں اور انہوں نے غیر معمولی قسم کی قابل قدر علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں۔ اب تک ان کی ایک درجن سے زیادہ تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں جو اپنی وسعت، سند اور مضامین و خیالات کی گہرائی و معنویت اور وسیع اثرات کی وجہ سے دنیا بھر کے علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔[44] اسی طرح عائشہ عبدالرحمان بنت شاطی (1998ء/1419ھ) نے تفسیر کے میدان میں کام کیا اور اپنی لائبریری کی تمام کتب عمر کے آخری وقت وقف کر دیں۔[45] جو دوسری خدمات کے ساتھ ساتھ دعوت میں بھی ایک اہم عملی قدم ہے۔

ایسی خواتین جن کی ذمہ داریوں کا بوجھ کم ہو گیا ہو اور انہیں فرصت کے اوقات میسر ہوں وہ باقاعدہ اشاعت دین اور دعوت و تبلیغ کا کام کر سکتی ہیں۔ البتہ دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ بھی دعوت کے مختلف مواقعوں سے حتی الوسع خیر کے پھیلاؤ میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ انفرادی خدمات کے علاوہ موجودہ دور میں چند ویمن تحریکیں جو دعوتِ دین کے لیے حتیٰ الوسع کردار ادا کر رہی ہیں منہاج القرآن ویمن لیگ؛[46] دینی، دعوتی اور تنظیمی تربیت سے عورتوں کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے پلیٹ فارم مہیا کر رہی ہے۔ عملی سطح پر معاشرہ میں فلاحی کام کو سرانجام دینے کی کاوش ویمن تنظیم کا لازمی جزو ہے۔ یہ خواتین مختلف قسم کی کانفرنسیں اور سیمینار کا انعقاد کرتیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ مجلّہ "دخترانِ اسلام" کی اشاعت بھی منہاج القرآن ویمن لیگ کے پلیٹ فارم سے کی جاتی ہے۔[47]

---

43 – محترمہ ام عبد منیب پاکستان کی مشہور عالمہ دین اور دینی واصلاحی کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ آپ نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا (۶۸۸ر صفحات) سوال وجواب کے طرز پر تیار کیا ہے۔

44– ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، **ہمیں خدا کیسے ملا**، بیت الحکمۃ لاہور 2008ء، ص389۔

45– https://en.wikipedia.org/wiki/Aisha_Abd_al-Rahman-

46 – 5 جنوری 1988ء کو ادارہ منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ میں خواتین کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیر سرپرستی منہاج القرآن ویمن لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے بنیادی مقاصد میں خواتین کے تعلق باللہ اور تعلق بالرسالت میں پختگی، مسلم خواتین کو ایک پلیٹ فارم پر منظم کرنا، خواتین کے اندر حقوق کا تحفظ اور فرائض کا احساس پیدا کرنا، خواتین کی عملی، فکری، روحانی، اخلاقی اور انقلابی تربیت کا مؤثر اہتمام کرنا تھا تاکہ خواتین اس عظیم مشن کی راہ میں ضروری کردار ادا کر سکیں اور ان میں قوم وملت کے مسائل اور تقاضوں کے حوالے سے احساس وشعور پیدا کیا جا سکے۔

47– https://www.minhaj.info/di/index.php?mod=mags&month=2008-08&article=15&read=txt&lang=ur

؛ طاہرہ عبدالقدوس، لاہور میں خواتین کے حلقہ ہائے درسِ قرآن: طرق تدریس اور مسائل، الاضواء، جلد 31، نمبر 45، 2016، ص

عصر حاضر میں مندرجہ بالا خواتین اور ان کی تحریکیں دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لیے غیر معمولی خدمات سر انجام دے رہی ہیں۔ ان خواتین نے اپنے دروس قرآن تحریر و تقریر اور دعوت کے ذریعے دین پہنچانے میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ جدید میڈیا کی مدد سے زیادہ دنیا تک قرآن و سنت کا پیغام پہنچا رہی ہیں۔ ان کا دعوتی کام قابل ستائش ہے۔

خواتین کا دعوتی کردار اور معاصر علما کے نقطہ ہائے نظر

دعوتِ دین کے عصری چیلنجز پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر انیس احمد (پ1944ء) لکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم نے مرد اور عورت دونوں کے لیے بطور داعی کا تصور دیا ہے جن کا عمل، قول اور فکر، اسلام کے پیغام کی بلاغت اور مخلوق کو خیر (Ethical Behavior) کی دعوت دینا ہے۔[48] وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے مرد و زن کے حقوق و فرائض کے تقابل کے ساتھ ساتھ عورت کی عائلی ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے دعوتی کردار کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔[49] آپ رقمطراز ہیں:

"It needs to address challenges and provide opportunity for women, who have equal obligations to communicate the message of Islam. It is not necessary, however, the women use same method of Da'wah. They may like to modify and tailor methods according to situation and improvise a methodology in view of their own need (and) analysis."[50]

عورت کے لیے پیغامِ اسلام کے ابلاغ کی مساوی ذمہ داری ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسے (دعوت میں پیش آمدہ) مسائل سے نبرد آزما ہونے اور مواقع مہیا کرنے (میں مدد فراہم کی) جائے تاکہ وہ مرد جیسا منہج اختیار کر سکے۔ اسے چاہیے کہ وہ صورت حال کے مطابق منہج تبدیل کرلے اور اپنی ضرورت کے مطابق اسلوب دعوت میں بہتری لائے۔

209-226۔

48– Dr Anis Ahmad, *"Da'wah Principles and Challenges," INSIGHT, Quarterly Special Number*, International Islamic University Islamabad, Vol 03, Issue 2-3, (2010/2011), 5.

49– Ibid,. 28,29,30.

50– Ibid,. 53.

8 سن ھجری کے واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے جہاں دوسری کامیابیوں کا تذکرہ کیا وہاں خواتین کی خدمتِ دین کو واضح کرتے ہوئے حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت عمّارہ رضی اللہ عنہا کا کردار بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں: اسلامی معاشرے میں چند پابندیوں کے ساتھ عورت اپنا بھرپور کردار ادا کر سکتی ہے۔ اور اسے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے یکساں مواقع میسر ہیں۔[51]

"المرأة في موكب الدعوة" میں مصطفیٰ طحان لکھتے ہیں:

عورتوں کو دعوتِ دین میں بھرپور حصہ لینا چاہیے ایک اچھی خاتون کو اپنی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ خاوند کے دعوتی کام میں بھی مدد گار ثابت ہونا چاہیے۔[52]

علاوہ ازیں عبد اللہ بن باز اپنے کئی فتاویٰ میں بعض مقامات پر خواتین کا مردوں کی طرح دعوتِ دین کا کام کرنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب قرار دیتے ہیں۔ دعوتِ دین کے ضمن میں ان کے ہاں خواتین مردوں کی طرح ہیں۔[53]

ڈاکٹر فضل الٰہی، علامہ ابن نحاس دمشقی کا قول نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا "ایمان والی عورتیں" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ بحالت استطاعت عورتوں پر مردوں کی مانند امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے۔[54] اور فرمانِ نبوی ﷺ ہے: **"لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الغَائِبَ"**[55] جو یہاں موجود ہیں میری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، یہ فرمان آج بھی ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اس فرمان نبی ﷺ کے مطابق خواتین کے لیے بھی دین کا پھیلانا لازم ہے۔

51- القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، **سیرۃ الرسول ﷺ**، منہاج القرآن پرنٹرز لاہور، اشاعت جولائی 2003، ج 6، ص 354۔

52- Mustafa Al-Tahan,***Al-Imrah fi Mawqab al-Da'wah,*** **al-Kuwait**: al-Markaz al-'Alami li al-Kitab al-Islami 1998, may also be seen in the book, Egdunas Racius, *The Multiple Nature of Dawa*,Helsinki ,2004, p. 87,88-

53- عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، **فتاوى نور على الدرب للشيخ**، **بيروت**: مدار الوطن للنشر 1337)2002-2003 https://www.almeshkat.net/book/11098 ۔

54- پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی، **نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں خواتین کا کردار**، اگست 2008ء، ص 52، 51۔

55- محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، (بيروت : دار طوق النجاة، 1422هـ)، 1: 33.

مصطفیٰ مشہور لکھتے ہیں: اسلام کی طرف دعوت عورتوں کے لیے نہایت لازمی ہے تاکہ وہ اپنے معاشروں کی اصلاح کی خاطر دعوتِ دین کو عام کریں۔[56]

عبد الملک قاسم نے لکھا ہے: "کہ عورت کے لیے خاندان میں خاص انداز میں دعوت ہے پس مضبوط (اعصاب کی مالک) اور مقبول خاتون خاندان میں تھوڑا تھوڑا اور صحیح صحیح کام کرے۔ اور اسے کہا جائے کہ آپ سے باقی خاندان اور جاننے والوں کے بارے پوچھا جائے گا کیوں کہ آپ پر (دعوتِ دین) کا بارِ عظیم ہے۔"[57]

عصرِ حاضر میں بھی ایسی خواتین کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ پھر سے اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دعوت کے لیے منہج تبلیغ ان اصولوں پر استوار ہو جو رسول پاک ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسانیت کو سکھائے۔ تبلیغ میں ترتیب کو مدِ نظر رکھا جائے کہ سب سے پہلے گھر والوں کو پھر قریبی رشتے داروں کو پھر محلے والوں کو پھر قبیلے والوں کو اور پھر ملکی و عالمی سطح پر دعوت کا کام کیا جائے۔ عورت گھر میں اور گھر سے باہر بھی بحیثیت داعی اپنا دعوتی کردار ادا کر سکتی ہے۔ حدیث[58] کے مطابق جس طرح ہر حاکم سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی اسی طرح ایک عورت سے بھی اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

جدیدیت اور خواتین کا دعوتی کردار

دورِ جدید میں غیر مسلم کو اسلام کی طرف بلانے کو **دار الدعوہ** کہا جا سکتا ہے۔ جابر العلوانی کے نزدیک غیر مسلم کو اسلام کی طرف بلانے کو الدعوہ کہا جاتا ہے۔[59] اس دور میں جدیدیت سے جہاں خواتین کا متاثر ہونا واضح ہے وہاں بہت سارے میدانوں میں ان کی شمولیت اور کردار کی نوعیت بھی تبدیل ہو چکی ہے تاہم خواتین کو مثبت کردار ادا کرنے کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ آر۔کے خوری (R. K Khuri) لکھتے ہیں:

"How the Da'wah is grasping with the concept of modernity and Islam, especially as it affects Muslim

---

56 Mustafa Mashhour, *On the Path of Da'wah* (Cairo: Al-Falah Foundation, 1999), 171.

57– عبد الملک القاسم، **غراس السنابل: وسیلة دعوية للمرأة المسلمة** (بیروت: دار القاسم، س ن)، ج1، ص31۔

58– بخاري، صحیح البخاري، 3:150. عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ --- وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا ---)۔

59– Taha Jabir Ulwānī, *Toward an Islamic Alternative in Thought and Knowledge*, American Journal of Islamic Studies, Vol.6, Issue 1, 1989, p.6-7-

women, is another issue that need to be addressed in today's global community"(60)

دعوتِ دین کا صحیح ادراک اسلام اور جدیدیت کے تصور کے ساتھ کیسے ممکن ہے؟ یہ بھی ایک مسئلہ ہے جسے آج کی عالمی برادری کے تناظر میں مخاطب کیا جانا چاہیے تاکہ دور جدید کی خواتین کو متاثر کر سکیں۔

Ibrahim Olatunde Uthman اصولِ دعوت، جدید دور میں ان کی مشق اور اطلاق پر بحث کرتے ہوئے خواتین کے بارے کہتے ہیں کہ تجرباتی بنیادوں پر دعوت اور مسلمان خواتین کے مختلف میدانوں میں متحرک افعال سے عیاں ہے کہ تحریکِ نسواں اور عالمگیریت (*Globalization*) باہم متصادم ہیں اور یہ بحث (*Gender, Da'wah and Activism*) جدید معاشرہ اور مسلم خواتین کے مقام اور کردار کو متاثر کرتی ہے تاہم (یہ جاننا بھی ضروری ہے) کہ مسلم دنیا کی آدھے سے زیادہ آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔(61)

مزید بر آں اگر اسلاموفوبیا اور ویسٹوفوبیا(62) کے تناظر میں دیکھا جائے تو خواتین اور دعوتِ دین خاص کر عالمی تناظر میں جہاں اک بہت بڑی تعداد غیر مسلم خواتین تک پیغامِ اسلام اور اس کی پر امن تصویر پیش کرنے کی ضرورت میں جدیدیت نے مزید اضافہ کر دیا ہے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ (1938ء) کے نزدیک اسلام خود آزادی نسواں (Women Emancipation) کی ایک بہت بڑی ثقافتی تحریک ہے لیکن یہ آزادی یورپ کے مادر پدر آزاد تصور سے مختلف ہے اور توازن واعتدال سے ہموار ہے۔ آپ اس تہذیب سے استفادہ کے حق میں تھے مگر اندھی تقلید کے مخالف

60– R.A Khuri, Freedom, *Modernity and Islam: Toward a Creative Synthesis*, Syracuse University Press 1998, p.6-

61– *INSIGHT, Quarterly, Da'wah Principles and Challenges' Number*, International Islamic University Islamabad, Vol 03, Issue 2-3, 2010/2011, p.68-

62 – اسلاموفوبیا کی اصطلاح، اسلام اور فوبیا سے مل کر بنی ہے۔ فوبیا یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی "ڈر جانا اور خوف زدہ ہو جانا" کیا جاتا ہے۔ اس کا استعمال 1976ء کے بعد سے ہوا، مگر "اسلاموفوبیا" کی اصطلاح بہت زیادہ استعمال میں نہیں رہی۔ لیکن 9/11 کے حملوں کے بعد اس لفظ کا استعمال زیادہ ہونے لگا۔ غیر مسلم کے لیے اسلامی کلچر، تہذیب سے ڈر اور ان کے دلوں میں اسلام کا خوف، اسلاموفوبیا کہلاتا ہے۔ اسلاموفوبیا کے بر عکس وسٹوفوبیا ہے یعنی اسلامی دنیا میں مغرب کی بے جا مداخلت سے تشویش کا پائے جانے کو اس اصطلاح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

تھے۔[63] مزید براں، عصر حاضر میں خواتین کوئی ایک منہج یا حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مناہج کو اختیار کر سکتی ہیں
۔

ڈاکٹر عبداللہ الفقیہ کے مطابق: "أن الأولى أن يتولى دعوة الرجل رجل مثله، وتتولى دعوة المرأة امرأة مثلها، ولا حرج إن شاء الله في أن تتولى المرأة دعوة الرجال ويتولى الرجل دعوة النساء إذا روعيت الضوابط الشرعية."[64] (ہر دور میں مرد ہو یا عورت منہج دعوت میں حسب ضرورت تبدیلی کر کے (جو معروف اور دعوت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو) دعوتی میدان میں بہتر نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔)

اس طرح داعیہ، خواتین میں اخلاق حسنہ کی تعلیم، ان کو واجبات پر عمل کی تاکید و ترغیب اور منکرات سے منع کر سکتی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر زیدان لکھتے ہیں کہ "وعقد الاجتماعات للنساء وتعليمهن وإشاعة الأخلاق الفاضلة فيهن، وحثهن على القيام بواجبهن ونحو ذلك، وينهيهن عن المنكرات"[65] (خواتین کے لیے اجتماعات کا منعقد کرنا ان کو تعلیم سکھانا، اعلیٰ خوبیوں کا دوسری خواتین میں پھیلانا، ان کو فرائض منصبی کی ترغیب دینا اور دیگر خواتین کو برائیوں سے منع کرنا ضروری ہے۔

علي بن نايف الشحود کے مطابق داعیہ عورت کا کام فی نفسہ فرد سے جدا ہے کہ دونوں ایک ہی طرح کے مکلف نہیں ۔ دور جدید میں عورت جہاں معاشرہ کی خواتین کو کسی دوسرے مقصد کے لیے جمع کر سکتی ہے وہاں ایسے پروگرام کا انعقاد بھی کر سکتی ہے جو دعوتی میدان میں اس کی ضرورت ہو اور خواتین کی مختلف امور میں اصلاح بھی کر سکتی ہے۔
[66]

63- ڈاکٹر محمد آصف اعوان، **اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش (فکرِ اقبال کے تناظر میں)**، بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی (BZU)۔2009ء، ص 528۔

64- ڈاکٹر عبداللہ، فتاوى الشبكة الإسلامية، 1427ھ، ج10، ص1685، الفتوی رقم: 30911، والفتوی رقم: 30695۔

65- ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، أصول الدعوة (بیروت: مكتبة الرسالة، 2002ء)، 137۔
http://waqfeya.com/book.php?bid=2975 ۔

66- علي بن نايف الشحود، المفصل في فقه الدعوة إلى الله تعالى، باب كشكول الدعوة إلى الله، 16: 175-
http://saaid.net/book/open.php?cat=5&book=3566

ڈاکٹر عبداللہ الفقیہ بیان کرتے ہیں: "فلا حرج أن تأمر المرأة الرجل الأجنبي بالمعروف وتنهاه عن المنكر بشروط وضوابط ...وأما قصص احتساب النساء على الرجال الأجانب فمنها ما ذكر أن خولة بنت ثعلبة رضي الله عنها استوقفت عمر في زمن خلافته فوعظته ونصحته"(67)(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا مہر کی مقدار کے تعین پر اختلاف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وعظ و نصیحت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لیے اجنبی مرد کو شرائط وضوابط کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں۔)

ایک انگریز مصنف لکھتا ہے:

> *"Though neither the Quran nor the Hadith collections presuppose institutionalized structures of or methods for da'wah the invitation to Islam – they laid groundwork for the historical development of Islamic missionary activities, which are still taking place all over the world."*(68)

یعنی قرآن و حدیث میں دعوتی مناہج، کوئی پہلے سے قیاس کردہ ادارہ نہیں۔ تاہم ان آخذ اسلام (قرآن وحدیث) نے دعوت کے ضمن میں اسلام کے تاریخی ارتقائی پھیلاؤ کے لیے بنیادیں مہیا کی ہیں جو آج بھی پوری دنیا میں فعّال ہیں۔

قرون اولی اور قرون وسطی کی خواتین کی دعوتی سرگرمیاں، دور جدید کی خواتین کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ اسلام میں عورت کا اصل جوہر، عصمت وعفت، پاک دامنی اور نئی پود کی تعلیم وتربیت ہے اگر عورت اس فرض سے غافل ہو کر دوسری غیر ضروری چیزوں کی طرف جائے گی تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گا۔ معاشرے کی صحت اور سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ عورت اپنے دائرہ عمل کو نظر انداز نہ کرے۔ خدمت خلق، دعوتِ دین اور نئی نسل کی تعلیم وتربیت ایسے وسیع دائرے ہیں کہ اگر خواتین ان سے بخوبی عہدہ برآ ہوں تو ہمارا معاشرہ ایک

67– د.عبداللہ الفقیہ، فتاوى الشبكة الإسلامية، فتوی رقم: 46652، ولمزيد من الفائدة راجع الفتاوى ذات الأرقام التالية: 6163، 3054، 25116، 1427ھ، ج 9، ص6030۔

68– Egdunas Racius, *The Multiple Nature of the Islamic Da'wah* (published by Helsinki, 2004), 31-32.

مثالی معاشرہ بن سکتا ہے اور دوسری قوموں کو بھی ان کے کردار سے رہنمائی میسر آسکتی ہے۔ عورت کو ایسے علوم سیکھنے چاہیے جو اس کی قوم اور نسلِ انسانی کے لیے مفید ہوں۔

نتائج بحث

دعوت و تبلیغ امت محمدی ﷺ کی اولین ذمہ داری ہے۔ اور امت میں مرد اور عورت سب شامل ہیں۔
قرون اولی اور قرونِ وسطی کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان خواتین میں سے کچھ مفسرہ، محدثہ، شاعرہ، حافظہ، قاریہ، فقیہ، حکیمہ اور مدرسہ کے شعبہ جات وغیرہ سے دعوت کے عظیم کارِ خیر کا فریضہ اپنے اپنے اسلوب اور طریق سے سر انجام دیتی رہیں۔ ان کا دعوت دین کا منہج، دورِ حاضر میں بھی خواتین کی دعوت دین میں بہتری لا سکتا ہے۔ اب جب کہ جدیدیت (Modernity) کی لہر سے حالات یکسر مختلف ہو گئے ہیں۔ اسلامو فوبیا (Islamophobia) اور ویسٹو فوبیا (Westophobia) جیسے تصورات جنم لے چکے ہیں میڈیا کی وجہ سے دنیا سمٹ چکی ہے تو دنیا میں غیر مسلم خواتین کی بڑی تعداد تک اسلام کا پر امن پیغام پہنچانا بھی خواتینِ اسلام کی ذمہ داری ہے۔

خواتین چاہے وہ بیوی ہو یا ماں، بہن ہو یا بیٹی، زندگی کے جس شعبے سے اس کا تعلق ہے خواہ وہ عائلی ہو یا معاشرتی، معاشی ہو یا ازدواجی، وہ ایسے مناہج اور اسالیبِ دعوت کو اپنا سکتی ہے جس سے عائلی ذمہ داریوں اور دعوتی مصروفیات میں ٹکراؤ نہ پیدا ہو۔ خواتین کو داعی کے اوصاف و شرائط اور تقاضوں کی معرفت کے ساتھ ساتھ دعوتِ انبیاء علیہم السلام کے مناہج کا علم بھی حاصل کرنا چاہیے۔

رسول پاک ﷺ کے دعوتی مراحل، حکمت عملی، خفی وجہری دعوت اور دعوتی خطوط وغیرہ سے آگاہی، دعوت کے عمل میں آسانی پیدا کر سکتا ہے۔ خواتین عمر کے مختلف ادوار میں اپنی دعوت کی نوعیت وحالات اور مخاطبین کے لحاظ سے ایسا میکینزم (Da'wah Mechanism) اپنا سکتی ہیں۔[69] جو اپنے جملہ لوازمات میں باہمی ہم آہنگی کا آئینہ دار ہو۔

69- اس میکینزم کی ایک ابتدائی شکل کا ذکر ہم نے دوسرے مقالہ '**دعوتِ دین: خواتین کا کردار گھریلو ذمہ داریوں کے تناظر میں**' کے صفحہ نمبر 63 پر کر دیا گیا ہے۔ مطالعہ کے لیے دیکھیے ہزارہ اسلامیکس، جولائی-دسمبر 2018ء، ص 49 تا 68

مصادرو مراجع

1. ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری، **الکامل فی التاریخ** (**بیروت**:المکتبۃالعلمیۃ، 1965)۔
2. ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد، **الکامل فی تاریخ**، (مطبوعۃ لیدن1851)۔
3. ابن انباری، کمال الدین عبدالرحمن بن محمد، **طبقات الأدباء**، (قاھرہ:1294)۔
4. ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع البصري الزھري، **الطبقات الکبر** (**بیروت**:دار صادر للطباعۃ والنشر، 1377، 1957م)۔
5. ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی جمال الدین الافریقی، **لسان العرب** (**بیروت**:دار صادر، 1414)۔
6. ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک بن ہشام الحمیری، **السیرۃ النبویۃ**، تحقیق السقا والانباری وشلبی(**مصر**:مطبع مصطفی البابی الحلبی، 1375ھ)۔
7. ابن كثير، ابو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ)، البداية والنهاية۔ بيروت: دار الفكر عام النشر: 1407 ھ – 1986 م۔
8. اختر، کومل، **عہد بنو عباس میں خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ**، مقالہ ایم فل اسلامیہ (یونی ورسٹی آف گجرات، سیشن2013-2015۔
9. آرنلڈ، پروفیسر ٹی ڈبلیو، مترجم عنایت اللہ، **دعوت اسلام** (لاہور: رشید احمد چودھری پبلیشر1972ء)۔
10. الاصفھاني، ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل الراغب، **مفردات ألفاظ القرآن الکریم**، تحقیق:صفوان عدنان داوودي (**بیروت**: دار القلم:1430ھ)2009ء۔
11. ڈاکٹر محمد آصف، **اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش (فکرِ اقبال کے تناظر میں)** (بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی پریس، 2009
12. آفندی، ذہنی، **مشاہیر نسواں**، اسلامک پبلیشر لاہور۔
13. البخاري، محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ، **صحیح البخاري**، تحقیق: محمد زھیر بن ناصر الناصر. **بیروت**: دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
14. الجرجانی، سید ابی الحسن علی بن محمد بن علی الحسانی، **التعریفات** (**بیروت**: دار الکتب العلمیۃ، 2003)۔
15. الجوزیہ، امام ابن قیم، **أعلام الموقعین** (**لبنان**:مکتبۃ حارۃ حریق)۔
16. حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، **عہد نبوی کا نظام حکمرانی**، (کراچی: اردو اکیڈمی، ستمبر 1987۔
17. حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، **محمد رسول اللہ ﷺ**، ترجمہ وتوضیح: پروفیسر خالد پرویز (، لاہور: بیکن ہاؤس، 2005ء)۔
18. الذہبي، ابوعبداللہ شمس الدین، **سیر أعلام النبلاء** (**بیروت**: دار الرسالۃ 1985ء)۔

19. زیدان، الدکتور عبدالکریم، أصول الدعوة(بیروت:مکتبة الرسالة، 2002).

20. شبلی، ڈاکٹر احمد، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ(لاہور:کمبائن پرنٹر، 1989ء)۔

21. الصابونی، محمد علی، شبهات و أباطيل حول تعدد الزوجات الرسول اصلى الله عليه وسلم (بیروت: المکیتبة االوقفیة، 1980ء)۔

22. عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الکریم(تہران:طبع انتشارات اسلامی، 1407ھ)۔

23. عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، فتاوى نور على الدرب للشيخ (القاہرہ: مدار الوطن للنشر، 2002-2003)۔

24. غلوش، دکتور احمد، الدعوة الإسلامية أصولها و وسائلها وأساليبها فى القرآن الكريم(بیروت:مؤسسة الرسالة، 2005)۔

25. فاروق، ڈاکٹر عبدالغنی، ہمیں خدا کیسے ملا (لاہور: بیت الحکمۃ 2008ء)۔

26. القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، سیرۃ الرسول ﷺ، منہاج القرآن پرنٹرز لاہور، اشاعت جولائی 2003۔

27. القاسم، عبدالملک، غراس السنابل: وسيلة دعوية للمرأة المسلمة (دارالقاسم)۔

28. کحالہ، عمر رضا، أعلام النساء فی عالمی العرب والإسلام، بیروت: شارع سورب۔

29. ہاشمی، طالب، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین، لاہور، البدر پبلیکیشنز۔

30. الٰہی، پروفیسر ڈاکٹر فضل، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں خواتین کا کردار، اگست 2008ء۔

31. فکر و نظر، ج48، شمارہ3، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، (2011)

32. ہزارہ اسلامیکس، جولائی-دسمبر 2018ء

33. Dr Anis Ahmad, ***"Da'wah Principles and Challenges,"*** *Insight Quarterly Special Number*, International Islamic University Islamabad, Vol 03, Issue 2-3, (2010/2011), 5-54

34. Zainab 'Alwānī, , ***Muslim Women as Religious Scholars****: A Historical Survey, (Chapter)* Ednan Aslan, Marcia Hermansen & Elif Medeni (eds.), *Muslima Theology: The Voices of Muslim Women Theologians,* Frankfurt: Peter Lang GmbH, 2013. 45-58.

35. Al-Tahan, Mustafa***, Al-Imrah fi Mawqab al-Da'wah,*** **al-Kuwait**: al-Markaz al-'Alami li al-Kitab al-Islami 1998.

36. Arnold, T.W. *"**The Preaching of Islam** : History of the Propagation of the Muslim Faith"* Archibald Constable & Co 1896-

37. Baberino, Francesco: ***Encyclopedia of Education***, London, 1973, vol.3, P.

38. Egdunas Racius,***The Multiple Nature of the Islamic Da'wah*** (published by Helsinki, 2004.

39. Ibn Kathīr, 'Imād al-Dīn Ismā 'īl bin 'Umar, ***Tafsīr al- Qur'ān al-'Azīm**, (Surāh Al-Mumtahnah 60:12)* Dār al-Ṭayyibah Li'l-Nashr wa 'I-Tawzī 1999.

40. Khuri, R.A, **Freedom, *Modernity and Islam***: *Toward a Creative Synthesis*, Syracuse University Press 1998.

41. L. O. Abbas, "**Islam and Modernity**: The Case of Women Today," *Cultural and Religious Studies USA*, Vol. 2, No.5 (Sep.-Oct. 2014), 297-305. http://www.davidpublisher.org/

42. Mashhour, Mustafa, ***On the Path of Da'wah*** (Cairo: Al-Falah Foundation, 1999.

43. Metcalf, Barbara D**, *Islam in South Asia in practice***, Princeton University Press USA, 2009.

44. Ulwānī, Taha Jabir, "**Toward an Islamic Alternative in Thought and Knowledge**," *American Journal of Islamic Studies*,Vol.6, Issue 1, 1989): 6-7.

45. Yūsuf 'Alī, 'Abdullah**, *The Meaning of the Holy Quran***,11th Ed Beltsville, MD: publications ,2004.

46. http://saaid.net/book/open.php?cat=5&book=3566

47. http://waqfeya.com/book.php?bid=2975

48. http://www.dawahskills.com/ar/abcs-of-dawah

49. https://en.wikipedia.org/wiki/Aisha_Abd_al-Rahman

50. https://www.almeshkat.net/book/11098

51. https://www.thefatwa.com/urdu/questionID/305orhttp://www.minhajsisters.com/urdu/index.html

Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(2), 96-132

التعارض بين الأحاديث النبوية ودفعه على منهج الحنفية

(دراسة تطبيقية على المسائل الفقهية في ضوء كتاب "بدائع الصنائع " للكاساني)

The Contradiction among *Al-Aḥādīth Al-Nabaviyyah* and Its Solution as per *Ḥanafī* Approach

Rizwan Yunus (Ph.D)*1

* Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan

Keywords

Al-Aḥādīth; Reconciliation; Legality Contradiction; *Ḥanafī*

Abstract: *Sharīʻah (Islamic Law) is free from any kind of conflict among legal evidences to establish a harmonized and just society in this word. In the sources of Sharīʻah, contradiction is found due to certain limitations on the part of jurists as a human being. To meet the issues of contradiction, four steps: Nasakh, Tarjīḥ Jamaʻ, Tawaqquf are expressed by three prominent schools of Uṣūliyyīn with a specific sequence to reconcile the emerging differences in divine guidance extracted from primary sources of Sharīʻah . The concept of Taʻāruḍ (Contradiction) is clarified with the definition of Islamic Jurists. The article sheds a light on different methods to settle down the conflicts and contradictions form perspective of the views of different juristic school of thoughts. The arguments and legal evidences have been analyzed one by one to understand the approaches of jurists. The article concludes with the most preferable method of resolving conflict that we shall adopt the principle of "al-Barāʻat al-Aṣliyyah" in absence of my evidence to resolve the conflict emerging among two versus or traditions of Holy Prophet (PBUH) that is the practice of society before these contradicting commandments. Yet, there is crucial need to explore the topic through available resources that have made the communication of knowledge easy to researchers than ever before.*

Younas, R. (2020). The Contradiction among *Al-Aḥādīth Al-Nabaviyyah* and Its Solution as per *Ḥanafī* Approach. *Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 96 -132.

© 2020 AUJIS. All rights reserved

1. Email: rizwan.younas@uog.edu.pk

Content from this work is copyrighted by *Al-ʻUlūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

تمهيد

قد بذل العلماء جهدهم المشكور في علم أصول الفقه بعد أن كتب فيه الإمام محمد بن إدريس الشافعي واهتموا اهتماما كبيرا بهذا العلم، فبذلوا جهدهم في فسيح مجالاته وركبوا الصعب من أجل تحديد معالمه حتى جعلوه علما قائما بذاته ، وغرضهم في ذلك إنما هو الوصول إلى مقاصد الشرع الحكيم وأوجه دلالة ألفاظ القرآن الكريم والسنة النبوية الشريفة على المعاني المقصودة وبالتالي الوصول إلى استنباط الأحكام الشرعية المستقاة من الأدلة الإجمالية والتفصيلية. هذا وإن من الموضوعات القيمة التي اشتمل عليها علم أصول الفقه موضوع التعارض والترجيح بين الأدلة الشرعية.

فهذا الموضوع – لا شك – من صلب علم أصول الفقه ، حيث إنه لا يمكن الوصول إلى استنباط الأحكام الشرعية من الأدلة إلا بعد معرفة هذا الموضوع والإلمام بقواعده . وسبب ذلك أن الأدلة الشرعية متفاوتة من حيث القوة والضعف ، ومن ثم فإنه لزاما على المجتهد أن يكون عالما بدرجات الأدلة وقوتها ، وأن يقف على ما يلزم نهجه واتباعه عند تعارض الدليلين. كما ينبغي أن يقف على وجه الترجيح الصحيح المتفق عليه عند العلماء ، فمعرفة أصول الفقه ضروري لفهم نصوص القرآن الكريم والسنة النبوية- على صاحبها الصلوة والسلام- ومعرفةِ وجوه دلالة الأدلة الشرعية، فمن يجتهد في معرفة الأحكام الشرعية وأدلتها بغير فهم جيد لمسائل أصول الفقه فهو كالذاهب إلى الجهاد بغير سلاح.

ومما لايستغنى عنه في أصول الفقه هو معرفة كيفية التخلص من التعارض الوارد في ظاهر النصوص الشرعية، لأنه قد يجد الناظر في النصوص الشرعية ما يكون ظاهره التعارض، فيجد نصاً يتعارض معه نص آخر، وحيث إن التعارض بين النصوص ظاهري لا حقيقي، إذ هي أحكام الشارع الحكيم، وأحكامه منزهة عن التعارض والتناقض.

غير أنه قد يظهر أمام بعض الناظرين في الأدلة تعارض بين دليلين، والحق أنه ليس بتعارض، والسبب هو نقص في علم هذا الناظر في الأدلة وخلل في فهمه حيث إن هذا التعارض الذي خيل له قد يكون نتيجة لنسخ أحد دليلين للآخر، ولكن الناظر لم يعلم عن حقيقة الناسخ والمنسوخ شيأ ، وقد يكون أحد الدليلين عاما والآخر خاصا – مثلا – ويمكن الجمع والتوفيق بينهما ، ولكن لكون الناظر لم يتعمق في مباحث هذا الفن فإنه يعجز عن الجمع بين الدليلين ومن ثم يحكم بالتعارض.

فلابد من الفهم والوقوف على الطرق والمناهج الصحيحة التي تساعد على التخلص من مثل هذا التعارض الصوري أو النسبي حسب النظر، فمعرفة طرق التخلص من التعارض الظاهرى أصبحت أمراً ضرورياً بالنسبة للناظر في النصوص الشرعية حتى يتسنى له معرفة الشرع الإسلامي سالماً من كل عيب من عيوب التعارض والتناقض.

وقد اشتدت أهميتها بالنسبة للناظر في النصوص من جهة الإفتاء وإصدار الأحكام في القضايا لأن الترجيح طريق معقول لأخذ أحد المتعارضين حتى يتمكن من العمل بأحدهما وذلك لأن إعمال الدليلين أو أحدهما أولى من إهمالهما أو إعمال أحدهما وإهمال الآخر .

كتابة بحث في موضوع " التعارض بين الأحاديث النبوية و دفعه على منهج الحنفية" لتجلية حقيقة الأمر وتوضيح أسباب هذا التعارض الظاهرى الذي لم يكن حقيقياً في واقع الأمر بل كان بسبب ورود الأحاديث عن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ حسب قضايا مختلفة وبيان أحكامها، ولما كانت كل قضية مختلفة عن قضية أخرى باعتبار طبيعتها وزمنها، فجاء الحديث لبيان حكم كل قضية على حدة حسب أزمنتها المختلفة فرأى فيه بعض الناس غير المختصين في علم الحديث التعارض بين الأحاديث وأقدم على النقد في

الأحاديث النبوية لاسيما المستشرقون الذين بالغوا في الاعتراضات على صحة الأحاديث عناداً منهم أو جهلاً. فالبحث يوضح الأسباب، ويكشف الغموض، ويبين كيف قام علماء الحنفية بتطبيق قواعد دفع التعارض على مسائل الفقه وأحكامه.

أولا نوضح مفهوم التعارض:

معنى التعارض لغة واصطلاحا

التعارض: من باب تفاعل وباب التفاعل يدل على المشاركة بين اثنين فأكثر وهو من العرض.

وقال شمس الأئمة فخر الإسلام البزدوي وهو من الأصوليين: معنى المعارضة لغة: الممانعة على سبيل المقابلة، يقال: عرض إليّ كذا أى استقبلني بصدٍّ ومنع سميت الموانع عوارض.[1]

عرّف الأصوليون والفقهاء التعارض بتعريفات متعددة يتفق بعضها مع بعض في المفهوم والمعنى ولو اختلفت ألفاظها. ونذكر أهم هذه التعريفات:

عرّفه الإمام السرخسي رحمه الله تعالى ـ بقوله: "هو تقابل الحجتين المتساويتين على وجه يوجب كل واحد منهما ضدّ ما توجبه الأخرى، كالحل والحرمة، والنفي والإثبات.[2]

وعرفه الإمام القاضي صدر الشريعة رحمة الله عليه ـ فقال: "تعارض الدليلين: كونهما بحيث يقتضي أحدهما ثبوت أمر والآخر انتفاؤه في محل واحد في زمان واحد بشرط تساويهما في القوة أو زيادة أحدهما بوصف هو تابع".[3]

---

1. علاء الدين عبدالعزيز بن أحمد البخاري، **كشف الأسرار عن أصول الإمام فخر الإسلام البزدوي** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1418هـ)، 3:120.
2. أبو بكر محمد بن أحمد السرخسي، **أصول السرخسي** (بيروت: دار المعرفة، 1372هـ)، 2: 12.

وعرّفه ابن الهمام : بأنه اقتضاء كل من الدليلين عدم مقتضى الآخر.[4]

مناهج الأصوليين في دفع التعارض

ذكرت فيما سبق أنه لا يمكن التعارض بين الأدلة الشرعية في الواقع ونفس الأمر، ولكن في بعض الأحيان يظهر التعارض بحسب نظر المجتهد. إذاً ما هو موقف العلماء في دفع التعارض؟ اختلف العلماء في حكم تعارض الدليلين، وذهبوا إلى المذاهب المختلفة، ولكن ثلاثة مذاهب مشهورة:

مذهب الجمهور غير الحنفية

إن طرق دفع التعارض عند الجمهور حسب التفاوت في الرتبة كما يلي:

أولاً: الجمع بين المتعارضين: حيث أن العمل بهما أولى من إسقاط أحدهما بالكلية، لأن الأصل في كل واحد منهما هو الإعمال ولا فرق بين أن يكون الدليلان المتعارضان عامين أو خاصين، أو أحدهما عاماً والآخر خاصاً.

ثانياً: الترجيح، أى تفضيل أحدهما على الآخر، وذلك عند تعذر الجمع بين المتعارضين، فالمجتهد يختار الترجيح عند عدم إمكان الجمع.[5]

---

3. صدر الشريعة عبيد الله بن مسعود، **التوضيح شرح لمتن التنقيح** (بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم)، 2: 226.
4. العلامة ابن أمير الحاج، **التقرير والتحبير في علم الأصول**(بيروت: دار الفكر، 1417هـ)، 3: 322.
5. عبداللطيف عبدالله عزيز البرزنجي، **التعارض والترجيح بين الأدلة الشرعية** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1417هـ)، 1: 167.

ثالثاً: النسخ، لو لم يمكن الجمع والترجيح بين الدليلين المتعارضين، فينظر المجتهد في تاريخها، فإن عرفه فحينئذ ينسخ المتأخر المتقدم: لأنه لا يمكن أن يرد نصان متعارضان من الشارع الحكيم في زمن واحد.

رابعاً: الحكم بسقوط الدليلين المتعارضين، وذلك عند تعذر إمكان الجمع والترجيح مع عدم معرفة التاريخ، ثم الرجوع إلى البراءة الأصلية، ويفهم كأن الدليلين غير موجودين، وذهب بعض العلماء إلى التخيير بدل السقوط، إن كان الدليلان مما يمكن فيه التخيير، وإلا يحكم بالسقوط والرجوع إلى البراءة الأصلية.[6]

مذهب الحنفية

قال جمهور الحنفية لو ظهر للمجتهد تعارض دليلين، فينظر في التاريخ فإن عرف التاريخ فينسخ المتقدم بالمتأخر ، وإن لم يعلم التاريخ، فإن كان لأحد الدليلين المتعارضين فضل، يرجح به على الآخر الذي ليس فيه ذلك الفضل، سواء كان من قبيل الوصف، ككون راويه فقيها، أو غير ذلك، ككون أحدهما متواتراً والآخر خبر آحاد، وإن لم يوجد مرجح ولا علم بالتاريخ، جمع بينهما إن أمكن، لأن إعمال الدليلين الذين لا مرجح لأحدهما أولى من إهدارهما، وإن لم يمكن الجمع ترك العمل بهما، وعدل في الاستدلال إلى ما دونهما في الرتبة كما يلي:

الأول: إذا تعارضت آيتان تساقطتا، ويعمل بما هو أدون منهما درجة، وهي السنة.

الثاني: إذا تعارضت سنتان و لم يعرف التاريخ تركتا، ويعمل بما هو أدون منهما وهو القياس، أو أقوال الصحابة، وهل يقدم القياس أو أقوال الصحابة؟ فيه خلاف.[7]

---

6. شيخ الإسلام علي بن عبد الكافي السبكي، **الإبهاج في شرح المنهاج** (بيروت: دار الفكر العلمية، 1404هـ)، 3: 142-144.

7. صدر الشريعة، **التوضيح شرح التنقيح**، 2: 100-120.

الثالث: إذا تعارض قياسان، فإن أمكن ترجيح أحدهما على الآخر بدليل شرعي، فحينئذ يجب العمل بالراجح، وإلا يكون المجتهد مخيراً في العمل بأيهما شآء، ولو أخطأ فإنه مرفوع القلم.[8]

الرابع: إذا تعارضت آيتان أو سنتان ولم يجد المجتهد الأدون أو وجده لكن متعارضاً، فإنه يحكم بالأصل، بمعنى سقوط المتعارضين، والعمل على ما كان عليه حكم المسألة قبل ورود الدليلين.[9]

مذهب المحدثين

قال جمهور المحدثين أن حكم الدليلين المتعارضين كما يلي:

1) الجمع بين المتعارضين إن أمكن.
2) إن لم يمكن الجمع فينسخ المتقدم بالمتأخر إن علم التاريخ.
3) لو لم يمكن الجمع والنسخ فيحكم بترجيح أحدهما على الآخر إن وجد فيه ما يصلح مرجحاً.
4) فإن تعذر كل ذلك فيجب التوقف أو الحكم بسقوط المتعارضين.[10]

هذه هي أهم المذاهب عن حكم التعارض، الان نذكر التعارض بين الأحاديث النبوية و دفع التعارض عند الحنفية في ضوء بعض المسائل الفقهية التي ذكرها الإمام الكاساني في كتابه "بدائع الصنائع".

---

[8]. السرخسي، **أصول السرخسي**، 2: 13-14.

[9]. عبد الله بن أحمد المعروف حافظ الدين النسفي، **كشف الأسرار**(بيروت: دار الكتب العلمية، 1997م)، 2: 52.

[10]. البرزنجي، **التعارض والترجيح بين الأدلة الشرعية**، 1: 177.

مسألة العلم بأوصاف المبيع والثمن (حكم بيع المجهول)

إن العلم بأوصاف المبيع ليس بشرط الصحة ، والجهل بها ليس بمانع من الصحة لكنه شرط اللزوم فيصح بيع ما لم يره المشتري لكنه لا يلزم وعند الشافعي رحمه الله كون المبيع معلوم الذات والصفة من شرائط الصحة حتى لا يجوز بيع ما لم يره المشتري عنده.[11]

فقد ظهر من كلام الإمام الكاساني أن الفقهاء اختلفوا في كون العلم بأوصاف المبيع شرطا لصحة البيع فإذا كان المعقود عليه مجهولا فقد وقع خلاف بين العلماء في ذلك:

اختلاف العلماء في هذه المسألة

المذهب الأول: إذا كان المعقود عليه مجهولا لايصح البيع وهذا ما ذهب إليه الشافعي وبه قال الحكم وحماد.[12]

الدليل على ذلك

حيث إن جهالة الذات إنما منعت صحة العقد لإفضائها إلى المنازعة ؛ لأن الأعيان تختلف رغبات الناس فيها لاختلاف ماليتها فالبائع إذا سلم عينا فمن الجائز أن يطلب المشتري عينا أخرى أجود منها بإسم الأولى فيتنازعان وجهالة الوصف مفضية إلى المنازعة أيضا ؛ لأن الغائب عن المجلس إذا أحضره البائع فمن الجائز أن يقول المشتري: هذا ليس عين المبيع بل مثله من جنسه فيقعان في المنازعة بسبب عدم الرؤية ولأن عدم الرؤية يوجب

---

11. علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفي، **بدائع الصنائع** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1424 هـ)، 6: 607.

12. يحى بن شرف النووي، **المجموع شرح المهذب**، كتاب الطهارة (بيروت: دار الفكر،1234هـ)، 9: 288. ؛بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني، **عمدة القاري**، باب بيع الملامسة (بيروت: دار الكتب العلمية، 2006م)، 17: 480.

تمكن الغرر في البيع **" ونهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع فيه غرر"**[13] وبيان تمكن الغرر أن الغرر هو الخطر وفي هذا البيع خطر من وجوه :

أحدها: في أصل المعقود عليه.

والثاني: في وصفه ؛ لأن دليل الوجود إذا كان غائبا هو الخبر ، وخبر الواحد يحتمل الصدق والكذب فيتردد المعقود عليه بأصله ووصفه بين الوجود والعدم.

والثالث: في وجود التسليم وقت وجوبه ؛ لأن وقت الوجوب وقت نقد الثمن وقد يتفق النقد وقد لا يتفق ، والغرر من وجه واحد يكفي لفساد العقد فكيف من وجوه ثلاثة.

وروي عن النبي عليه الصلاة والسلام أنه قال: **" لا تبع ما ليس عندك"**[14] ورواه الأربعة، وحسنه الترمذي. و"عند" كلمة حضرة والغيبة تنافيها ، والخلاف في البيع والشراء خلاف واحد .

وقال النووي: لا يصح لحديث أبى هريرة " أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر" وفى هذا البيع غرر ولأنه نوع بيع فلم يصح مع الجهل بصفة المبيع كالمسلم فيه (فإذا قلنا) بقوله القديم فهل تفتقر صحة البيع إلى ذكر الصفات أم لا، فيه ثلاثة أوجه:

(أحدها) أنه لا يصح حتى تذكر جميع الصفات كالمسلم فيه، **(والثانى)** لا يصح حتى تذكر الصفات المقصودة **(والثالث)** أنه لا يفتقر إلى ذكر شئ من الصفات وهو

---

13. مسلم بن الحجاج القشيري، **الجامع الصحيح**، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر (بيروت: دار الجيل، 1334 هـ)، رقم: 1513.

14. ابو داؤد سليمان بن الاشعث سجستاني، **سنن أبي داؤد**، كتاب البيوع: باب في الرجل يبيع ما ليس عنده (بيروت: دار الكتاب العربي ،1326هـ)، رقم: 3503.

المنصوص في الصرف لأن الاعتماد على الرؤية ويثبت له الخيار إذا رآه فلا يحتاج إلى ذكر الصفات.[15]

المذهب الثاني: وأما معرفة أوصاف المبيع والثمن فقال أصحاب هذا المذهب ليست شرطا والجهل بها ليس بمانع من الصحة لكن شرط اللزوم ما لم يره.

وبه قال مالك وأبو حنيفة وأحمد وابن المنذر وجمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم. وروي ذلك أيضا عن ابن عباس والنخعي والشعبي والحسن البصري ومكحول والأوزاعي وسفيان وقال صاحب (التلويح) كأنهم استندوا إلى ما رواه الدارقطني عن أبي هريرة يرفعه "من اشترى شيئا لم يره فله الخيار".[16]

الدليل على ذلك

احتجوا بقول الله تعالى﴿ **وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ** ﴾[17] وهذا على عمومه إلا بيعا منعه كتاب أو سنة أو إجماع.[18]

فقال الحنفية إن عمومات البيع من غير فصل ونص خاص وهو ما روي عن النبي عليه الصلاة والسلام أنه قال **" من اشترى شيئا لم يره فهو بالخيار إذا رآه "**[19] ولا خيار شرعا إلا في بيع مشروع.

---

15. النووي، **المجموع شرح المهذب**، 9: 288.

16. محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد، **بداية المجتهد**، كتاب البيوع (قاهرة: مكتبة ابن تيمية، 1415هـ)، 2: 155؛ عبد الله بن أحمد بن قدامة، **المغني لابن قدامة**، كتاب البيوع، بيع السلعة الغائبة والبيعة بالصفة وخيار الرؤية (بيروت: دار الفكر، 1405هـ)، 4: 77.

17. القرآن 2: 275.

18. النووي، **المجموع شرح المهذب** ، باب ما نهى عنه من بيع الغرر، 9: 301.

وهذا الحديث رواه عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما وعطاء والحسن البصري وسلمة بن المجير رحمهم الله تعالى مرسلا عن النبي صلى الله عليه وسلم لشهرته.[20]

ولأن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محل هو خالص ملكه فيصح كشراء المرئي ؛ وهذا لأن وجود التصرف حقيقة بوجود ركنه ، ووجوده شرعا لصدوره من أهله وحلوله في محله.[21]

وجهالة الأوصاف بسبب عدم الرؤية لا تفضي إلى المنازعة بعد ما صار معلوم العين وإنما تأثير هذه الجهالة في انعدام تمام الرضا به وذلك شرط انبرام العقد لا شرط جوازه ألا ترى أن البيع يجوز مع خيار الشرط ولا يلزم لانعدام تمام الرضا.[22]

بيان التعارض

فهناك التعارض بين السنة التي استدل بها أصحاب المذهب الأول على أن الجهل بأوصاف المبيع مانع من صحة البيع، لأن عدم الرؤية يوجب تمكن الغرر في البيع وفي هذا البيع خطر، والسنة التي استدل بها أصحاب المذهب الثاني على أن الجهل بأوصاف المبيع ليس بمانع من صحة البيع، لأن المشتري له خيار الرؤية ولا خيار شرعا إلا في بيع مشروع.

---

19. مسلم، **الجامع الصحيح**، كتاب البيوع: باب حكم بيع المصراة (بيروت: دار الجيل، 1334 هـ)، رقم: 1524.

20. شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، **المبسوط للسرخسي**، باب الخيار بغير الشرط (بيروت: دار الفكر، 1421هـ)، ص: 59

21. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 6: 607.

22. السرخسي، **المبسوط**، باب الخيار بغير الشرط، ص: 60 ؛ابن رشد، **بداية المجتهد**، كتاب البيوع، 2: 155.

دفع التعارض بالجمع بين الأدلة

فجمع الحنفية بين الأدلة بطريق الجمع والتوفيق وأجاب بأن قوله : "جهالة الوصف تفضي إلى المنازعة" ممنوع ؛ لأنه صدقه في خبره حيث اشتراه فالظاهر أنه لا يكذبه ودعوى الغرر ممنوعة فإن الغرر هو الخطر الذي استوى فيه طرف الوجود والعدم بمنزلة الشك ، وههنا ترجح جانب الوجود على جانب العدم بالخبر الراجح صدقه على كذبه ؛ فلم يكن فيه غرر على أنا إن سلمنا أن الغرر إسم لمطلق الخطر لكن لم قلتم : إن كل غرر يفسد العقد ؟

وأما الحديث فيحتمل أن يكون الغرر هو الخطر ويحتمل أن يكون من الغرور فلا يكون حجة مع الاحتمال أو نحمله على الغرر في صلب العقد بالتعليق بشرط أو بالإضافة إلى وقت عملا بالدلائل كلها .

وأما الحديث الثاني فيحتمل أن يكون المراد منه بيع ما ليس بمملوك له عن نفسه لا بطريق النيابة عن مالكه أو بيع شيء مباح على أن يستولي عليه فيملكه فيسلمه وهذا يوافق ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال " بيع السمك في الماء غرر ".[23]

مسألة بيع ثمرة النخل قبل التأبير

التأبير: أَبَرَ النخلَ والزرعَ يَأْبُره ويأْبِرُه أَبْراً وإِباراً وإِبارَة وأَبّره أَصلحه، يقال أَبَرْتُ النخلة وأَبّرْتها فهي مأْبُورة ومُؤَبَّرة، وتأْبير النخل تلقيحه يقال نخلة مُؤَبَّرة مثل مأْبُورة

---

23. الكاساني، **بدائع الصنائع"** كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 6: 607.

والإسم منه الإبار على وزن الإزار ويقال تأَبَّر الفَسِيلُ إذا قَبِل الإبار، والتأبير التلقيح وهو أن يشق الكم ويذر فيها من طلع الفحل فإنه يصلح ثمر أناث النخل.[24]

قال الإمام الكاساني: فإن كان المبيع أرضا ولم يذكر شيئا من القرائن، دخل ما فيها من الأبنية والأشجار ولم يدخل الزرع والثمار عند عامة العلماء. وقال مالك رحمه الله : ثمار سائر الأشجار كذلك وكذلك ثمر النخل إذا أبر فأما إذا لم يؤبر يدخل.[25]

فقد اتضح من كلام الإمام الكاساني أن العلماء اختلفوا في هذه المسألة كما يلي:

آراء العلماء فيها

المذهب الأول

ثمر النخل مؤبرا كان أم غير مؤبر، يكون للبائع مطلقا ، ولا يدخل الثمر في بيع الشجر إلا بشرط دخوله في البيع مطلقا سواء بيع الشجر مع الأرض أو وحده كان له قيمة أو لا. وقال محمد وأبو حنيفة والأوزاعي: هي للبائع في الحالين لأن هذا نماء له حد فلم يبتع أصله في البيع كالزرع في الأرض.[26]

---

24. محمد بن مكرم بن منظور، **لسان العرب** (بيروت: دار صادر، 1224هـ)، 3: 4؛ زين الدين بن ابراهيم بن نجيم، **البحر الرائق**، كتاب البيع، فصل قوله يدخل البناء والمفاتيح في البيع (بيروت: دار المعرفة، 1413هـ)، 5: 499.

25. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 6: 612.

26. ابن قدامة، **المغني**، باب بيع الأصول و الثمار، 4: 202.

الدليل على ذلك

واحتجوا بما روي عن محمد رحمه الله في كتاب الشفعة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال " **من اشترى أرضا فيها نخل فالثمرة للبائع إلا أن يشترطها المبتاع** " [27] جعل عليه الصلاة والسلام الثمرة للبائع مطلقا عن وصف وشرط فدل أن الحكم لا يختلف بالتأبير وعدمه ولأن النخل إسم لذات الشجرة فلا يدخل ما عداه إلا بقرينة زائدة ولهذا لم يدخل ثمار سائر الأشجار.

ومن جهة القياس أن هذا ظاهر متميز فلم يتبع الأصل بمطلق العقد كالجنين بعد الولادة .

إذا ثبت أنها للبائع بمطلق العقد فليس للمشتري إجباره على نقل ثمرته قبل أوان جذاذها، لأن هذا استحقاق يجدد على أرض فيها زرع للمستحق عليه فلم يجبر على نقله قبل أوانه كالشفعة .[28]

المذهب الثاني

أن البيع متى وقع على نخل مثمر ولم يشترط الثمرة كانت الثمرة مؤبرة فهي للبائع وإن كانت غير مؤبرة فهي للمشتري وبهذا قال مالك والليث والشافعي وأحمد وقال ابن أبي ليلى : هي للمشتري في الحالين.[29]

---

27. ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم ، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق**، 5: 323

28. سليمان بن خلف بن سعد الباجي، **المنتقى شرح المؤطأ**، باب ما جاء في ثمر المال يباع أصله (بيروت: دار المعرفة، 1236هـ)، 3: 370.

29. ابن قدامة، **المغني**، باب بيع الأصول و الثمار ، 4: 202.

الدليل على ذلك

واحتج بما روي عن النبي عليه الصلاة والسلام أنه قال **"من باع نخلا قد أبرت فثمرتها للبائع إلا أن يشترطها المبتاع "**[30] قيد عليه الصلاة والسلام ملك البائع في الثمرة بوصف التأبير ولو لم يكن يختلف الحكم ؛ لم يكن للتقييد فائدة .

والدليل الآخر هو أن الثمرة قبل الإبار مستكنة في البيع من أصل الخلقة فكانت تبعا للأصل في البيع كالحمل في البطن واللبن في الضرع.

ولأنه جعل التأبير حدا لملك البائع للثمرة فيكون ما قبله للمشتري وإلا لم يكن حدا ولا كان ذكر التأبير مفيدا ولأنه نماء كامن[31] لظهوره غاية فكان تابعا لأصله قبل ظهوره وغير تابع له بعد ظهوره كالحمل في الحيوان.[32]

بيان التعارض

فهناك التعارض بين السنتين اللتين تدل إحداهما على عدم دخول ثمر النخل في البيع مطلقا بدون شرط المشتري عند المذهب الأول، و تدل الثاني على دخوله فيه إذا كان الثمر غير مؤبر عند المذهب الثاني.

---

30. أبو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب البيوع: باب من باع نخلا قدأبرت (القاهرة: دار الشعب، 1407هـ)، رقم: 2204.

31. (كمن) كَمَنَ كُمُوناً اخْتَفى وكَمَن له يَكْمُن كُموناً وكَمِن استَخْفى وكمنَ فلانٌ إِذا استخفى في مَكْمَنٍ لا يُفْطَنُ له وأَكْمَن غيرَه أَخفاه (ابن منظور، **لسان العرب**، 13: 359).

32. ابن قدامة، **المغني**، باب بيع الأصول والثمار، 4: 202.

دفع التعارض بقاعدة أصولية

فيدفع التعارض بين السنتين بالجمع والتوفيق بأن السنة الأولى تدل على عدم دخول الثمر في بيع النخل مطلقا والثاني تدل أيضا إلا بوصف لأن الحكم فيها مقيد بوصف التأبير ولكن هي لا تدل على دخوله في البيع بدون الوصف، لأن تقييد الحكم بوصف لا يدل على أن الحكم في غير الموصوف بخلافه، بل يكون الحكم فيه مسكوتا موقوفا على قيام الدليل وقد قام، وهو ما روينا، ولا يحمل المطلق على المقيد عندنا؛ لما فيه من ضرب النصوص بعضها في بعض وهذا لا يجوز.[33]

مسألة بيع الرطب بالتمر

قال الكاساني: "وأما بيع التمر بالرطب ، والرطب بالرطب ، أو بالتمر ، والمنقع بالمنقع، والعنب بالزبيب اليابس ، واليابس بالمنقع ، والمنقع بالمنقع متساويا في الكيل فهل يجوز ؟ قال أبو حنيفة رحمه الله : كل ذلك جائز ، وقال أبو يوسف رحمه الله : كله جائز إلا بيع التمر بالرطب، وقال محمد رحمه الله : كله فاسد إلا بيع الرطب بالرطب، والعنب بالعنب ، وقال الشافعي رحمه الله : كله باطل".[34]

فقد ظهر من كلام الإمام الكاساني أن الفقهاء اختلفوا في هذه المسألة الفقهية على نحو ما يلي:

---

33. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 6: 612.
34. المصدر السابق، 7: 71.

اختلاف الفقهاء في ذلك

المذهب الأول

لا يجوز بيع الرطب بالتمر كيلا بكيل وهذا ما ذهب إليه الشافعي رحمه الله، وممن ذهب إلى المنع من ذلك كما ذهب إليه الشافعي، من الصحابة سعد بن أبي وقاص ومن التابعين سعيد بن المسيب ومن الفقهاء مالك والليث بن سعد والأوزاعي والثوري وأبو يوسف ومحمد بن الحسن – لكنه قال إذا أحاط العلم بأنهما إذا يبسا تساويا جاز– وأحمد بن حنبل وإسحق وداود.[35]

الدليل على ذلك

احتجوا بما روي عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "**نهى عن بيع الرطب بالتمر ، وقال عليه الصلاة والسلام إنه ينقص إذا جف.**"[36]

وجه الدلالة من هذا الحديث

بين عليه الصلاة والسلام الحكم ، وعلته ، وهي النقصان عند الجفاف فمحمد عدى هذا الحكم إلى حيث تعدت العلة ، وأبو يوسف قصره على محل النص ؛ لكونه حكما ثبت على خلاف القياس.[37]

ثم في قوله عليه السلام "ينقص إذا جف" إشارة إلى أنه يشترط لجواز العقد المماثلة في أعدل الأحوال وهو ما بعد الجفاف ولا يعرف ذلك بالمساواة في الكيل في الحال.[38]

---

35. النووي، **المجموع شرح المهذب**، فصل في الاحاديث الواردة في تحريم ربا الفضل، 10: 419.

36. الإمام مالك بن أنس، **المؤطأ**، كتاب البيوع: باب ما يكره من بيع التمر (مصر: دار احياء التراث العربي، 1425هـ)، رقم: 22.

37. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 7: 71.

وإذا ثبت ذلك فإن ما كان أصله الجنس الواحد فصار على صنفين مختلفين يختلف بهما إسمه والغرض منه فلا يجوز بعضه ببعض متساويا كالبلح الصغير بالكبير والرطب بالتمر لا يجوز شيء من ذلك بما خالف صنفه.[39]

المذهب الثاني

قال أبو حنيفة بجواز بيع الرطب بالتمر كيلا بكيل مثلا بمثل قال الشيخ أبو حامد وانفرد بذلك ولم يتابعه أحد عليه ونقل ابن عبد البر عن داود موافقته له.[40]

الدليل على ذلك

ولأبي حنيفة رحمه الله دليل عن الكتاب ، والسنة أما الكتاب : فعمومات البيع من نحو قوله تعالى ﴿ **وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ** ﴾[41]، وقوله – عز شأنه –﴿**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ**﴾[42] فظاهر النصوص يقتضي جواز كل بيع إلا ما خص بدليل ، وقد خص البيع متفاضلا على المعيار الشرعي؛ فبقي البيع متساويا على ظاهر العموم.

وأما السنة المشهورة فحديث أبي سعيد الخدري، وعبادة بن الصامت رضي الله عنهما حيث **"جوز رسول الله صلى الله عليه وسلم بيع الْبُرُّ بِالْبُرِّ، والشعير بالشعير، والتمر**

---

38. السرخسي، **المبسوط**، كتاب البيوع، 12: 158.
39. الباجي، **المنتقى شرح المؤطأ**، باب ما يكره من بيع التمر، 3: 387.
40. النووي، **المجموع**، فصل في الأحاديث الواردة في تحريم ربا الفضل، 10: 419.
41. القرآن 2: 275.
42. القرآن 4 :29.

بالتمر مثلا بمثل" [43] عاما مطلقا من غير تخصيص، وتقييد، ولا شك أن إسم الحنطة، والشعير يقع على كل جنس الحنطة، والشعير على اختلاف أنواعهما وأوصافهما، وكذلك إسم التمر يقع على الرطب، والبسر؛ لأنه إسم لتمر النخل لغة فيدخل فيه الرطب، واليابس، والمذنب والبسر، والمنقع .[44]

وأما السنة الثانية: فما ثبت من كتب السنة عن أبي سعيد الخدري عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: " **عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ، يَدًا بِيَدٍ، وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ يَدًا بِيَدٍ، وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا بِكَيْلٍ، وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا» وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: ذَكَرْنَا بَيْعَ الْهِرِّ عِنْدَ عَطَاءٍ فَلَمْ يَعِبْهُ** "[45] .

وهذا حديث مشهور تلقاه العلماء بالقبول أو العمل به، ومثله حجة في الأحكام، ومداره على أربعة من الصحابة رضوان الله عليهم، وهم: عمر بن الخطاب، وعبادة بن الصامت، ومعاوية بن أبي سفيان، وأبو سعيد الخدري مع اختلاف ألفاظهم.

وجه الدلالة فيه: أن قوله صلى الله عليه وسلم: "مثلا بمثل" يدل بمفهومه على أن الزيادة لا تحل، سواء أكانت حالة أو مؤجلة، ثم تأكد هذا المعنى بتصريحه عليه الصلاة والسلام

---

[43]. عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، (مسلم، صحيح مسلم ، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ، بَابُ الصَّرْفِ وَبَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ نَقْدًا، 3: 1211).

[44]. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شرائط الصحة، 7: 72.

[45]. أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري (المتوفى: 182هـ)، الآثار، تحقيق: أبو الوفا (بيروت : دار الكتب العلمية – بدون التاريخ)، ص: 183، رقم:133.

بقوله: "**والفضل ربا**" فصار ربا الفضل مندرجا تحت أنواع الربا. وقد حرم الله الربا في كتابه، فكان هذا حراما. ومثل ذلك ما جاء في بعض الروايات من قوله صلى الله عليه وسلم: "فمن زاد أو استزاد فقد أربى" هذا نص في الموضوع.

وبما روي " **عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا؟»، قَالَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلاَثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ تَفْعَلْ، بِعْ الجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»** ؟"[46] **وكان أهدى إليه رطبا فقد أطلق عليه الصلاة والسلام إسم التمر على الرطب** .[47]

وروي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ، فَقِيلَ لَهُ: وَمَا تُزْهِي؟ قَالَ: حَتَّى تَحْمَرَّ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللَّهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ» [48] والاحمرار، والاصفرار من أوصاف البسر فقد أطلق عليه الصلاة والسلام إسم التمر على البسر فيدخل تحت النص .[49]

بيان التعارض

فهناك التعارض بين السنة التي تدل على عدم جواز بيع الرطب بالتمر كيلا بكيل مثلا بمثل، عند العلماء في المذهب الأول، والسنة التي تدل على جواز بيع الرطب بالتمر

---

46. البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب البيوع، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه،77، رقم:2201.
47. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 7: 72.
48. البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب البيوع، باب إذا باع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، 3: 77، رقم:2198.
49. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 7: 72.

كيلا بكيل مثلا بمثل، عند علماء المذهب الثاني.

دفع التعارض بالترجيح و بالجمع

فأجاب أبو حنيفة عن حديثهم بأن مداره على زيد بن عياش، وهو ممن لا يقبل حديثه، وفي الهداية، وهو ضعيف عند النقلة، وقال أبو حنيفة: مجهول، وتعقبه الخطابي، وكذا قال ابن حزم: إنه مجهول، فلا يقبل في معارضة الكتاب والسنة المشهورة ؛ ولهذا لم يقبله أبو حنيفة رحمه الله في المناظرة في معارضة الحديث المشهور مع أنه كان من صيارفة[50] الحديث، وكان من مذهبه تقديم الخبر– وإن كان في حد الآحاد–على القياس بعد أن كان راويه عدلا ظاهر العدالة.[51]

فأجيب عن حديث زيد بن عياش أيضا بأن المراد النهي عنه نسيئة فإنه ثبت في حديث أبي عياش هذا زيادة نسيئة كما رواه أبو داود، "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الرطب بالتمر نسيئة،"[52] وبهذا اللفظ رواه الحاكم، وسكت عنه، ورواه الطحاوي، وهذه الزيادة بعد صحتها يجب قبولها لأن المذهب المختار عند المحدثين قبولها.[53]

فيحمله على بيع الرطب بالتمر نسيئة، أو تمرا من مال اليتيم توفيقا بين الدلائل صيانة لها عن التناقض.[54]

50. والصَيْرَفِيُّ: الصَرَّافُ، من المُصارَفَةِ. وقومٌ صَيارِفَةٌ، والهاء للنسبة. يقال: صَرَفْتُ الدراهم بالدنانير. وبين الدرهمين صَرْفٌ، أي فَضْلٌ لجودة فضّة أحدهما.(ابو النصر اسماعيل بن حماد الجوهري، **الصحاح في اللغة،** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1432هـ)، 1: 386.

51. الكاساني، **بدائع الصنائع،** كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 7: 73.

52. مالك، **المؤطأ،** كتاب البيوع: باب ما يكره من بيع التمر، رقم: 22.

53. زين العابدين بن ابراهيم بن نجيم، **البحر الرائق** ، بيع اللحم بالحيوان، 16: 294.

54. الكاساني، **بدائع الصنائع،** كتاب البيوع، فصل في شروط الصحة، 7: 73.

مسألة التصرف في الأثمان قبل القبض

اختلاف العلماء في هذه المسألة

المذهب الأول

لا يجوز التصرف في الأثمان قبل القبض، هذا مذهب الشافعي، وروى ذلك عن ابن مسعود وابن عباس وأبى عبيدة بن عبد الله بن مسعود وأبى سلمة ابن عبد الرحمن وسعيد بن المسيب.[55]

الدليل على ذلك

احتجوا بما روي عن النبي عليه الصلاة والسلام أنه " نهى عن بيع ما لم يقبض "[56]، ورواه ابن حبان في صحيحه، والحاكم في المستدرك، وصححه، وقال في التنقيح: في سنده عبيد، فإن ابن إسحاق صرح فيه بالتحدث.

وجه الدلالة

إن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع ما لم يقبض مطلقا فيتناول العين والدين، فهذا الحديث يدل على أن الدين أي الثمن الذي في الذمة لا يجوز التصرف فيه قبل

---

[55]. النووي، **المجموع**، فصل في الاحاديث الواردة في تحريم ربا الفضل، 10: 109.

[56]. البخاري ، **الجامع الصحيح**، كتاب البيوع: باب بيع الطعام قبل أن يقبض، رقم: 2135.

القبض.ولأن الثمن والمبيع عند الشافعي من الأسماء المترادفة الواقعة على مسمى واحد فكان كل واحد منهما مبيعا ولا يجوز بيع المبيع قبل القبض.[57]

المذهب الثاني

يجوز التصرف في الأثمان قبل القبض إلا الصرف ، والسلم ، وهو محكى عن عمر وابنه عبد الله رضي الله عنهما والحسن والحكم وحماد وطاووس والزهرى والقاسم بن محمد وقتادة وإبراهيم وعطاء على اختلاف عنهما وهو مذهب أبى حنيفة ومالك والثوري والأوزاعي وأحمد وإسحق وعبد الله بن الحسن وأبى ثور.[58]

الدليل على ذلك

احتجوا بما روي عن عبد الله ابن سيدنا عمر رضي الله عنهما أنه قال : " يا رسول الله إنا نبيع الإبل بالبقيع، ونأخذ مكان الدراهم الدنانير ، ومكان الدنانير الدراهم فقال عليه الصلاة والسلام : " لا بأس إذا كان بسعر يومهما، وافترقتما وليس بينكما شيء "[59].

وجه الدلالة

وفيه دليل على جواز التصرف في الثمن قبل قبضه وهذا نص على جواز الاستبدال من ثمن المبيع، ولأن قبض الدين بقبض العين؛ لأن قبض نفس الدين لا يتصور؛ لأنه عبارة عن مال حكمي في الذمة أو عبارة عن الفعل، وكل ذلك لا يتصور فيه قبضه حقيقة

---

57. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع، 7: 218.
58. السرخسي، **المبسوط**، كتاب الصرف، 4: 14.
59. أبو داود، **السنن**، كتاب البيوع: باب في اقتضاء الذهب من الورق ، رقم: 3354.

فكان قبضه بقبض بدله، وهو قبض العين فتصير العين المقبوضة مضمونة على القابض، وفي ذمة المقبوض منه مثلها في المالية فيلتقيان قصاصا، هذا هو طريق قبض الديون، وهذا المعنى لا يوجب الفصل بين أن يكون المقبوض من جنس ما عليه أو من خلاف جنسه؛ لأن المقاصة إنما تتحقق بالمعنى، وهو المالية، والأموال كلها في معنى المالية جنس واحد.[60]

فالتصرف في الثمن قبل القبض جائز بالبيع والهبة والإجارة والوصية سواء كان مما يتعين أو لا يتعين عندنا سوى بدل الصرف والسلم ؛ لأن الملك مطلق ، وكان القياس ذلك أيضا في المبيع إلا أنه منع بالنص لغرر الانفساخ ، وليس في الثمن ذلك ؛ لأنه إذا هلك الثمن المعين لا ينفسخ البيع وتلزمه قيمته وسائر الديون كالثمن لعدم الغرر بعدم الانفساخ بالهلاك كالمهر والأجرة وضمان المتلفات وغيرها.[61]

وفي الكافي وعليه الفتوى : وإذا عرف أن التصرف في الثمن قبل القبض يجوز وفي المبيع لا يجوز كان تتميمه بأن يذكر هنا ما يميز المبيع عن الثمن وإن كان قد سلف فالدراهم والدنانير أثمان أبدا وذوات القيم مبيعة أبدا والمثليات من المكيلات والموزونات والمعدودات المتقاربة إذا قوبلت بالنقد مبيعة أو بالأعيان وهي معينة ثمن أو غير معينة فمبيعة ، كمن قال اشتريت كذا من الحنطة بهذا العبد فلا يصح إلا بشرائط السلم ، وقيل المثليات إذا لم تكن معينة وقوبلت بغيرها ثمن مطلقا.[62]

إذا عرف هذا فالأثمان يجوز التصرف فيها قبل القبض استبدالا في غير الصرف والسلم.

---

60. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع، 7: 219.
61. كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن الهمام، **فتح القدير**، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: ومن اشترى شيئا مما ينقل(بيروت: دار الكتب العلمية، 2003م)، 6: 479.
62. ابن الهمام، **فتح القدير**، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: ومن اشترى شيئا مما ينقل، 6: 475.

أما الصرف فلأن كل واحد من بدلي الصرف مبيع من وجه ، وثمن من وجه لأن البيع لا بد له من مبيع إذ هو من الأسماء الإضافية ، وليس أحدهما بجعله مبيعا أولى من الآخر فيجعل كل واحد منهما مبيعا من وجه ، وثمنا من وجه فمن حيث هو ثمن يجوز التصرف فيه قبل القبض كسائر الأثمان ، ومن حيث هو مبيع لا يجوز فرجحنا جانب الحرمة احتياطا . وأما المسلم فيه ؛ فلأنه مبيع بالنص، والاستبدال بالمبيع المنقول قبل القبض لا يجوز، ورأس المال ألحق بالمبيع العين في حق حرمة الاستبدال شرعا فمن ادعى الإلحاق في سائر الأموال فعليه الدليل، والله – عز وجل – أعلم .[63]

بيان التعارض

فهناك التعارض بين السنة التي تدل على أن التصرف في الثمن قبل القبض لا يجوز عند أصحاب المذهب الأول، لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع ما لم يقبض، وهذا الحديث مطلق فيتناول المبيع والثمن أيضا عندهم، والسنة التي تدل على أن التصرف يجوز في الثمن قبل القبض كما عند أصحاب المذهب الثاني.

دفع التعارض:

فأصحاب المذهب الثاني دفع التعارض بين هاتين السنتين بالجمع والتوفيق على أن السنة الأولى تدل على أن النهي عن المبيع قبل القبض دون الثمن، لأن قبض الدين بقبض العين؛ لأن قبض نفس الدين لا يتصور؛ لأنه عبارة عن مال حكمي في الذمة أو عبارة عن الفعل، وكل ذلك لا يتصور فيه قبضه حقيقة فكان قبضه بقبض بدله، وهو قبض العين فتصير العين المقبوضة مضمونة على القابض، وفي ذمة المقبوض منه مثلها في المالية فيلتقيان قصاصا، هذا هو طريق قبض الديون.

---

[63]. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع، 7: 219.

وبه تبين أن المراد من الحديث العين لا الدين؛ لأن النهي عن بيع ما لم يقبض يقتضي أن يكون المبيع شيئا يحتمل القبض، ونفس الدين لا يحتمل القبض على ما بين أعلاه فلا يتناوله النهي.[64]

مسألة شرعية المزارعة

المزارعة في اللغة: مفاعلة من الزرع ، وهو الإنبات ، والإنبات المضاف إلى العبد مباشرة فعل أجرى الله – سبحانه وتعالى – العادة بحصول النبات عقيبه لا بتخليقه وإيجاده.[65]

وفي عرف الشرع: عبارة عن العقد على المزارعة ببعض الخارج بشرائطه الموضوعة له شرعا.[66]

قال الإمام الكاساني: أما شرعية المزارعة فقد اختلف فيها، قال أبو حنيفة – عليه الرحمة – : أنها غير مشروعة ، وبه أخذ الشافعي رحمه الله، وقال أبو يوسف ومحمد – رحمهما الله – إنها مشروعة.[67]

ظهر من كلام الإمام الكاساني أن الفقهاء اختلفوا في شرعية المزارعة على نحو ما يلي:

آراء العلماء في شرعية المزارعة

---

64. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع، 7: 219.

65. الجوهري، **الصحاح في اللغة**، 1: 286.

66. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة، 8: 263.

67. ايضاً

المذهب الأول

قال أبو يوسف ومحمد – رحمهما الله – إنها مشروعة.[68]

الدليل على ذلك

وجه قولهما ما روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم " دفع نخل خيبر معاملة، وأرضها مزارعة"[69]، وأدنى درجات فعله عليه الصلاة والسلام الجواز، وكذا هي شريعة متوارثة لتعامل السلف والخلف ذلك من غير إنكار.[70]

المذهب الثاني

قال أبو حنيفة – عليه الرحمة – : أنها غير مشروعة، وبه أخذ الشافعي رحمه الله.[71]

الدليل على ذلك

وجه قول أبي حنيفة أن عقد المزارعة استئجار ببعض الخارج ، وإنه منهي بالنص والمعقول. أما النص فما روي عن رافع بن خديج قال: "مر النبي صلى الله عليه وسلم بحائط فأعجبه فقال: لمن هذا؟ قلت: هو لي، قال: من أين لك هذا؟ قلت استأجرته، قال: " لا تستأجره بشيء ".[72]

---

68. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة، 8: 263.
69. مسلم، **الجامع الصحيح**، : رقم:1551.
70. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة، 8: 263.
71. ابن نجيم، **البحر الرائق**، كتاب المزارعة ، 8: 181.
72. الطبرانى، ابو القاسم سليمان بن أحمد، **المعجم الكبير** (قاهرة: مكتبة ابن تيمية،1354هـ)، رقم: 4354.

وروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه " نهى عن قفيز الطحان "[73]، والاستئجار ببعض الخارج في معناه، والمنهي غير مشروع.

وأما المعقول فهو أن الاستئجار ببعض الخارج من النصف والثلث والربع ونحوه استئجار ببدل مجهول، وإنه لا يجوز كما في الإجارة. بقي ترك الإنكار على التعامل، وذا يحتمل أن يكون للجواز، ويحتمل أن يكون لكونه محل الاجتهاد ، فلا يدل على الجواز مع الاحتمال .[74]

بيان التعارض

فهناك التعارض بين السنتين اللتين تدل أحدهما على مشروعية المزارعة عند أصحاب المذهب الأول، وثانيهما تدل على عدم مشروعية المزارعة عند أصحاب المذهب الثاني.

دفع التعارض

دفع أصحاب المذهب الثاني التعارض بين السنتين بالجمع والتوفيق بأن حديث خيبر محمول على الجزية دون المزارعة صيانة لدلائل الشرع عن التناقض، والدليل على أنه لا يمكن حمله على المزارعة أنه عليه الصلاة والسلام قال فيه " أقركم ما أقركم الله "[75]، وهذا منه عليه الصلاة والسلام تجهيل المدة، وجهالة المدة تمنع صحة المزارعة بلا خلاف.[76]

مسألة الملك في الموات بالإحياء

[73]. احمد بن حسين بن علي، البيهقي، **السنن الكبرى**، كتاب البيوع، باب النهي عن عسب الفحل (مكة المكرمة، 1414هـ)، 5: 339.

[74]. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة، 8: 263.

[75]. البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب الحرث والمزارعة: باب إذا قال رب الأرض: أقرك الله، رقم: 2338.

[76]. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة، 8: 263.

الموات: بفتح الميم والواو الخفيفة، قال القزاز: الموات الأرض التي لم تعمر، شبهت العمارة بالحياة وتعطيلها بفقد الحياة وإحياء الموات أن يعمد الشخص لأرض لا يعلم تقدم ملك عليها لأحد فيحييها بالسقي أو الزرع أو الغرس أو البناء فتصير بذلك ملكه.[77]

وأما بيان ما يثبت به الملك في الموات وما لا يثبت ويثبت به الحق فالملك في الموات يثبت بالإحياء بإذن الإمام عند أبي حنيفة ، وعند أبي يوسف ومحمد – رحمهم الله تعالى – يثبت بنفس الإحياء وإذن الإمام ليس بشرط.[78]

ظهر من كلام الإمام الكاساني أن الفقهاء اختلفوا في إثبات الملك في الموات بالإحياء وهي كما يلي:

اختلاف العلماء في هذه المسألة

المذهب الأول

من أحيا أرضا ميتة فهي له أي صارت تلك الأرض مملوكة له سواء كانت فيها قرب من العمران أم بعد سواء أذن له الإمام في ذلك أم لم يأذن وهذا قول الجمهور، وبه قال أبو يوسف ومحمد وأحمد والشافعي رحمه الله تعالى.[79]

الدليل على ذلك

---

[77]. أحمد بن علي بن محمد بن حجر العسقلاني، **فتح الباري**، باب من أحيا أرضا مواتا، (بيروت: دار المعرفة، 1378هـ)، 5: 18.

[78]. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب الأراضي، 8: 306.

[79]. ابن قدامة، **المغني**، كتاب إحياء الموات، 6: 164.

احتجوا بقول النبي عليه الصلاة والسلام "من أحيا أرضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم فيه حق"[80] قال الترمذي هذا حديث حسن وروى مالك في موطئه و أبو داود في سننه عن عائشة مثله قال ابن عبد البر وهو مسند صحيح متلقى بالقبول عند فقهاء المدينة وغيرهم.[81]

وجه الدلالة

أثبت الملك للمحيي من غير شريطة إذن الإمام، فلا حاجة فيه إلى إذن الإمام لأن النبي صلى الله عليه وسلم قد أذن في ذلك وملكها ممن أحياها أو لأنه لا حق لأحد فيها فكل من سبقت يده إليها وتم إحرازه لها فهو أحق بها كمن أخذ صيدا أو حطبا أو حشيشا أو وجد معدنا أو ركازا في موضع لا حق لأحد فيه.[82]

ولأنه مباح استولى عليه فيملكه بدون إذن الإمام كما لو أخذ صيدا أو حش كلأ ، وقوله عليه الصلاة والسلام: "ليس لعرق ظالم فيه حق" روي منونا ومضافا ، فالمنون هو أن تنبت عروق أشجار إنسان في أرض غيره بغير إذنه فلصاحب الأرض قلعها حشيشا.[83]

ومثل هذا اللفظ لبيان السبب في لسان صاحب الشرع كقوله صلى الله عليه وسلم: " من ملك ذا رحم محرم منه فهو حر "[84]. وقال صلى الله عليه وسلم: " ألا إن عَادِيّ الْأَرْضِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ مِنِّي ".[85]

---

80. مالك، **الموطأ**، كتاب الأقضية: باب القضاء في عمارة الموات، رقم: 26.

81. ابن قدامة، **المغني**، كتاب إحياء الموات، 6: 164.

82. السرخسي، **المبسوط**، كتاب الشرب، 23: 143.

83. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب الأراضي، 8: 306.

84. ابو داؤد، **السنن**، كتاب العتق: باب من ملك ذا رحم، رقم: 3949.

وقوله عادي الأرض بتشديد الياء المثناة يعني القديم الذي من عهد عاد وهلم جرا. وبعد وجود الإذن من صاحب الشرع لا حاجة إلى إذن أحد من الأئمة.[86]

المذهب الثاني

فالملك في الموات يثبت بالإحياء بإذن الإمام عند أبي حنيفة، فلا بد من إذن الإمام مطلقا، فمن أحياها بإذن الإمام ملكها.[87]

الدليل على ذلك

واحتج أبو حنيفة – عليه الرحمة – بما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال "ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه "[88] فإذا لم يأذن فلم تطب نفسه به فلا يكون له.

فتبين بهذا الحديث شرط الملك وهو إذن الإمام كما تبين بما ورد السبب وهو الإحياء والحكم بعد وجوب السبب يتوقف على وجود شرطه ثم الناس في الموات من الأراضي سواء فلو لم يشترط فيه إذن الإمام أدى إلى امتداد المنازعة والخصومة بينهم فيها فكل واحد منهم يرغب في إحياء ناحية وجعل التدبير في مثله إلى الأئمة يرجع إلى المصلحة لما فيه من إطفاء ثائرة الفتنة.[89]

---

85. البيهقي، **السنن الكبرى**، كتاب إحياء الموات من طريق سفيان عن ابن طاوس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أحيا مواتا من موتان الأرض فله رقبتها وعادي الأرض لله ولرسوله ثم لكم من بعدي" ، 3: 243.

86. السرخسي، **المبسوط**، باب عشر الأرضين، 3: 16.

87. ابن قدامة، **المغني**، كتاب إحياء الموات، 6: 204.

88. الطبراني، **المعجم الكبير**، وفيه ضعف من حديث معاذ. وفيه عمرو بن واقد، وهو متروك، 5: 331.

89. السرخسي، **المبسوط**، باب عشر الأرضين، 3: 16.

ولأن الموات غنيمة فلا بد للاختصاص به من إذن الإمام كسائر الغنائم.

والدليل عليه أن غنيمة إسم لما أصيب من أهل الحرب بإيجاف الخيل والركاب ، والموات كذلك؛ لأن الأرض كلها كانت تحت أيدي أهل الحرب استولى عليها المسلمون عنوة وقهرا فكانت كلها غنائم فلا يختص بعض المسلمين بشيء منها من غير إذن الإمام كسائر الغنائم بخلاف الصيد والحطب والحشيش؛ لأنها لم تكن في يد أهل الحرب فجاز أن تملك بنفس الاستيلاء وإثبات اليد عليها.[90]

بيان التعارض

فهناك التعارض بين السنة التي استدل بها أصحاب المذهب الأول على أن الملك في الموات يثبت بنفس الإحياء دون إذن الإمام، والسنة التي استدل بها أصحاب المذهب الثاني على أن الملك يثبت بالإحياء بإذن الإمام.

دفع التعارض

فدفع أصحاب المذهب الثاني التعارض بين الدليلين بالجمع والترجيح أيضا صيانة عن التناقض بأن الحديث يحتمل أنه يصير به شرعا ويحتمل أنه أذن جماعة بإحياء الموات بذلك النظم، ونحن نقول بموجبه فلا يكون حجة مع الاحتمال.

نظير قوله عليه الصلاة والسلام "من قتل قتيلا فله سلبه" [91] حتى لم يصح الاحتجاج به في إيجاب السلب للقاتل لأن التخصيص بذلك تحريض على القتال، وأنه أمر مشروع ومندوب إليه، أو يحمل ذلك على حال الإذن توفيقا بين الدلائل، ويملك الذمي

---

90. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب الأراضي، 8: 309.

91. البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب فرض الخمس: باب من لم يخمس الأسلاب، رقم: 3142.

بالإحياء كما يملك المسلم لعموم الحديث.[92]

وقوله صلى الله عليه وسلم: "من أحيا أرضا ميتة" لبيان السبب وبه نقول أن سبب الملك بعد إذن الإمام هو الإحياء ولكن إذن الإمام شرط وليس في هذا اللفظ ما ينفي هذا الشرط بل في قوله عليه الصلاة والسلام: "وليس لعرق ظالم حق" إشارة إلى هذا الشرط فالإنسان على رأي الإمام والأخذ بطريق التغالب في معنى عرق ظالم.[93]

والحديث أيضا يحتمل أنه إذن لقوم لا نصب لشرع أي أن المشروعات على نوعين : أحدهما نصب الشرع ، والآخر إذن بالشرع.

فالأول كقوله عليه الصلاة والسلام "من قاء أو رعف في صلاته فلينصرف"[94] والآخر كقوله عليه الصلاة والسلام" من قتل قتيلا فله سلبه "[95] أي للإمام ولاية أن يأذن للغازي بهذا القول فكان ذلك من النبي صلى الله عليه وسلم إذنا لقوم معينين وتحريضا على القتال لا نصب شرع ، فكذلك في يومنا هذا من قتل قتيلا لا يكون سلبه له إلا أن يأذن الإمام به .

فيجوز أن يكون قوله عليه الصلاة والسلام { من أحيا أرضا ميتة فهي له }[96] من ذلك القبيل ، وحاصله أن ذلك الحديث يحتمل التأويل.

---

[92]. الكاساني، **بدائع الصنائع**، كتاب الأراضي، 8: 306.

[93]. السرخسي، **المبسوط**، كتاب الشرب، 23: 143.

[94]. ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجة القزويني، **سنن ابن ماجة**، كتاب إقامة الصلاة: باب البناء على الصلاة (بيروت: دار احياء الكتب العربية، 1372هـ)، رقم: 1221.

[95]. البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب فرض الخمس: باب من لم يخمس الأسلاب، رقم: 3142.

[96]. ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذي، **السنن**، كتاب الأحكام: باب ذكر ما جاء في إحياء الأرض الموات (بيروت: دار احياء التراث العربي، 1243هـ)، رقم :1378.

وما ذكره أبو حنيفة رحمه الله مفسر لا يقبل التأويل فكان راجحا ، كذا في العناية وغيرها.[97]

نتائج البحث

وقد توصلت في هذه الرسالة إلى النتائج الآتية:

1. أن موضوع "التعارض بين الأحاديث النبوية ودفعه على منهج الحنفية" هو من الموضوعات الأصولية القيمة المفيدة بالبحث والدراسة.
2. أن معرفة طرق التخلص من التعارض الظاهري بين السنن النبوية أصبحت أمراً ضرورياً لكي لا يقدح في الشريعة الإسلامية.
3. أن لا يتصور أن يوجد التعارض الحقيقي بين الأدلة الشرعية لأنها من عند الشارع الحكيم وهو الله سبحانه وتعالى منزه من أن تتعارض شريعته، والأنبياء عليهم الصلاة والسلام المبعوثون بالرسالة إلى الناس كافة لا يتكلمون عن الشريعة إلا بالحق، والتعارض الحقيقي يؤدي إلى اجتماع النقيضين فيكون عبثاً، والعبث على الله تعالى محال.
4. أن التعارض في السنة ليس إلا تعارضاً ظاهرياً بالنسبة للمجتهد وليس تعارضاً حقيقياً، ومن ناحية خفاء وجه التوفيق بين الدليلين المتعارضين الظاهرين، ومن ناحية توهم ما ليس بدليل دليلاً من قِبل المجتهد، وكذلك من ناحية الجهل بتاريخ ورود الدليلين حتى حكمناهما بنسخ أحد الدليلين على الآخر ثم الترجيح ثم الجمع والتوفيق.

---

97. ابن الهمام، **فتح القدير** ، كتاب إحياء الموات، 10 : 85.

5. أن التعارض يطلق على التناقض وعلى مطلق المنافاة. فالتناقض لا يوجد بين الأدلة الشرعية وعليه يحمل قول المنكرين للتعارض مطلقاً، أما المنافاة تجوز وتقع بين الأدلة الشرعية سواء كان في نفس الأمر أو في ظن المجتهد وعليه يحمل كلام المجوزين للتعارض مطلقاً.
6. أن حكم التعارض عند الجمهور هو الجمع والتوفيق أولاً بين الدليلين المتعارضين، ثم الترجيح ثم النسخ ثم البراءة الأصلية. أما عند الأحناف هو النسخ أولاً ثم الترجيح ثم الجمع ثم الرجوع إلى ما دونهما في الرتبة.
7. أن الترجيح مبني على التعارض، ولو لم يوجد التعارض فلا يمكن الترجيح، والترجيح دليل على أن ليس هناك التعارض الحقيقي بين السنن النبوية.
8. أن التعارض بالمعنى العام وكذلك الترجيح يوجد بين الأدلة الشرعية القطعية والظنية.
10. عند التعارض بين الدليلين يقدم الدليل المثبت على الدليل المنفي.
12. الدليلان المتعارضان يمكن الجمع بينهما على نوعين:

أ. ما يمكن التوفيق بالتأويل في أحد الطرفين المعين.

ب. ما يجمع بينهما بالتصرف في الطرفين أو أحدهما بدون التصرف.

13. الترجيح واجب بين الدليلين المتعارضين ويجب العمل بالدليل الراجح، ويترك الدليل المرجوح.
14. أن الجمع والتوفيق بين الدليلين المتعارضين يمكن بالتأويل، ولكن لايجوز بالتأويل البعيد المرجوح.
15. في بعض الأحيان يوهم أن هناك التعارض بين السنن النبوية ولكن يدفع التعارض بينهما بنسخ المتقدم بالمتأخر، أو بالترجيح، أو بالجمع والتوفيق، أو

التساقط، كما دفع الأحناف التعارض بين السنن النبوية بهذه الطرق في كتاب بدائع الصنائع للكاساني.

المقترحات والتوصيات

يقترح من البحث بما يأتي

أولاً: الاهتمام بتحقيق المخطوطات ونشر كتب الأصول المتعلقة بالتعارض والترجيح وتوضيح الغامض منها، وفرض التحقيق على طلاب التخصص(الماجستير والدكتوراه).

ثانياً: الاهتمام بشرح وتيسير عبارات كتب الأصول القديمة بصورة ترغب الطلاب فيها.

ثالثاً: الاهتمام بقاعة البحث المتعلقة بمادة الأصول خصوصاً في الدراسات العليا لكي يعرف الطالب كيفية التحليل والاستنباط والرجوع إلى أمهات الكتب بهذا الفن. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

مصادر ومراجع

1. القرآن الكريم
2. ابو النصر اسماعيل بن حماد الجوهري، **الصحاح في اللغة**، بيروت: دار الكتب العلمية، 1432هـ

3. أبو بكر محمد بن أحمد السرخسي، **أصول السرخسي**، بيروت: دار المعرفة، 1372هـ
4. ابو داؤد سليمان بن الاشعث سجستاني، **سنن أبي داؤد**، بيروت: دار الكتاب العربي،1326هـ
5. ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري، **الجامع الصحيح**، القاهرة: دار الشعب، 1407هـ
6. ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجة القزويني، **سنن ابن ماجة**، بيروت: دار احياء الكتب العربية، 1372هـ
7. ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذي، **السنن للترمذي**، بيروت: دار احياء التراث العربي، 1243هـ
8. احمد بن حسين بن علي، البيهقي، **السنن الكبرى**، مكة المكرمة، 1414ه
9. احمد بن علي بن محمد بن حجر العسقلاني، **فتح الباري**، بيروت: دار المعرفة، 1378هـ
10. الامام مالك بن أنس، **المؤطأ**، مصر: دار احياء التراث العربي، 1425هـ
11. بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني، **عمدة القاري**، بيروت: دار الكتب العلمية، 2006م
12. زين الدين بن ابراهيم بن نجيم، **البحر الرائق**، بيروت: دار المعرفة، 1413هـ
13. سليمان بن خلف بن سعد الباجي، **المنتقى شرح المؤطأ**،بيروت: دار المعرفة، 1236هـ
14. شيخ الإسلام علي بن عبد الكافي السبكي، **الإبهاج في شرح المنهاج**،بيروت: دار الفكر العلمية، 1404هـ
15. صدر الشريعة عبيد الله بن مسعود ، **التوضيح شرح لمتن التنقيح**،بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم
16. الطبرانى، ابو القاسم سليمان بن أحمد، **المعجم الكبير**،قاهرة: مكتبة ابن تيمية،1354هـ
17. عبد الله بن أحمد المعروف حافظ الدين النسفي، **كشف الأسرار**،بيروت: دار الكتب العلمية، 1997م
18. عبد الله بن أحمد بن قدامة، **المغني لابن قدامة**،بيروت: دار الفكر، 1405هـ
19. عبداللطيف عبدالله عزيز البرزنجي، **التعارض والترجيح بين الأدلة الشرعية**، ،بيروت: دار الكتب العلمية، 1417هـ
20. علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفي، **بدائع الصنائع**،بيروت: دار الكتب العلمية، 1424 هـ
21. علاء الدين عبدالعزيز بن أحمد البخاري، **كشف الأسرار عن أصول الإمام فخر الإسلام البزدوي**، بيروت: دار الكتب العلمية، 1418هـ
22. العلامة ابن أمير الحاج، **التقرير والتحبير في علم الأصول**،بيروت: دار الفكر، 1417هـ
23. كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن الهمام، **فتح القدير**، ،بيروت: دار الكتب العلمية، 2003م

24. محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد، **بداية المجتهد،** ،قاهرة: مكتبة ابن تيمية، 1415هـ
25. محمد بن مكرم بن منظور، **لسان العرب**، ،بيروت: دار صادر، 1224هـ
26. مسلم بن الحجاج القشيري، **الجامع الصحيح**، ،بيروت: دار الجيل، 1334 هـ
27. يحى بن شرف النووي، **المجموع شرح المهذب**، ،بيروت: دار الفكر،1234هـ

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(2), 134-159

استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين وحكمه (دراسة تحليلية فقهية)

Settlement of Jews and Christians in the Two Holy Mosques and its Ruling (A Jurisprudential Analytical Study)

Abdullah Abubakar Ahmad al-Naijiri (PhD)*1
*Faculty of Shariah and Law, International Islamic University Islamabad

Keywords

Settlements; Jews; Christians; Holy Mosques; Jurisdiction

Abstract: *Citizenship means the individual who enjoys membership in a country, and thus deserves the benefits of that membership. In its political meaning, citizenship refers to the rights guaranteed by the state to whoever holds its nationality, and the obligations imposed on it; or it may mean the participation of the individual in the affairs of his country, and what he feels belonging to him. This research aims to give the reader a comprehensive picture of the Jewish and Christian settlement in the Two Holy Mosques and its rule, so in the first section it clarifies what is a sanctuary and its boundaries, and concludes with the second section: Settlement of Jews and Christians in the Two Holy Mosques and its ruling in Shariah Islamic Law and some of the important issues related to this topic. In this study the researcher endeavors to study the views of the past and contemporary scholars, and presented their opinions, compare and discuss them from what Allah opens to him. The modern world has witnessed many phenomena, which are very important for Muslims to know the Shariah ruling regarding in particularly this important topic. At the end of the discussion a conclusion is drawn from variant views of the scholars and the main findings and recommendations have been given*

Al-Nijiri, A. A. (2020). Settlement of Jews and Christians in the Two Holy Mosques and its ruling: A Jurisprudential Analytical Study. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 134-159.

© 2020 AUJIS. All rights reserved

1. Email: jalingo12@yahoo.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

أولاً: أسباب اختيار البحث

لقد شدَّني للبحث في هذا الموضوع حال بعض أفراد الأمة، في بعض البلاد غير الإسلامية ممن يأخذه الحماس الديني المفرط، والغيرة العاطفية المتهيجة نحو مبدأ أو مسألة استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين وحكمه.أما بالنسبة لأسباب اختيار الموضوع، فأهمها ما يلي:

1. الرغبة الطبيعية في فهم المسائل الفقهية.
2. حيوية هذا الموضوع وأهميته إذ يتعلق ببعض أهم القضايا.
3. بيان كمال الشريعة الإسلامية وشمولها وصلاحيتها لكل زمان ومكان وبيان أحكامها الغراء في هذا المجال.
4. لكي يستفيد الباحث من بحث مثل هذه المسائل التي تهم الأمة الإسلامية

ثانيًا: أهداف البحث: يهدف هذا البحث إلى

1- التعرف على ماهية استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين.

2- التعرف على ماهية الحرم وحدوده.

3- بيان شمولية الشريعة الاسلامية.

4- بيان صلاحية الشريعة في كل وقت وحين.

5- إبراز حقيقة استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين وحكمه في ضوء الشريعة الإسلامية.

6- بيان آراء العلماء القدامى و المعاصرين في حكم استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين

7- معرفة بعض الأحكام الشرعية المطالب بها الإنسان في حياته الدنيا.

ثالثاً: مشكلة البحث وأسئلته: تطرح هذه الدراسة عددًا من الأسئلة الرئيسية وتحاول الإجابة عليها

لقد جاء هذا البحث من أجل الكشف عن موقف الفقهاء قديمًا وحديثًا حول حكم استيطان اليهود والنصارى في مكة والمدينة

1- هل هذا البحث يعالج مشكلة معرفة استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين ؟

2- هل استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين وموضوعه حضور لدي فقهاء الإسلام قديمًا وحديثًا؟

رابعاً: أهمية البحث

تبدو أهمية البحث من خلال تعرضه لماهية الحرم وحدوده، وحكم دخول اليهود أو النصارى الحرم المكي،ودخول الكافر مسجد الحرم المدني و المساجد الأخرى.

خامساً: منهج كتابة البحث ومعالجة موضوعه

انتهج الباحث في سرد المعلومات وتقسيمها المنهج التالي:

اعتمد الباحث المنهج التحليلي والوصفي في هذه الدراسة: وذلك بدراسة أقوال الفقهاء السابقين،وذكر أسباب الخلاف في أقوالهم،وذكر العلاقة بين أقوال الفقهاء القدامى وأقوال الفقهاء المعاصرين.

التزم الباحث ضوابط البحث المنهجي عزوًا وتخريجًا وضبطًا وتحريرًا.

1- حاول الباحث في استخراج عناوين البحث أن تكون بارزة وشاملة.

2- تحريرمحل النزاع في المسائل المختلف فيها، وذكر الأقوال في المسألة، مع نسبة كل قول لقائله،وذكر أدلة كل قول وما ورد عليها من مناقشات واعتراضات، وذكر الأجوبة عنها ، وترجيح ما يظهر رجحانه بناءً على المرجحات الظاهرة.

سادساً

خطة البحث: تتألف الدراسة من تمهيد و مقدمة، ومبحثين، وخاتمة:

أما المقدمة، فعرض الباحث فيها: تمهيد، أهمية الموضوع، وأسباب اختياره، والخطة التي اتبعتها فيه.

التمهيد.

المبحث الأول: ماهية الحرم وحدوده.

المبحث الثاني: حكم دخول اليهود أو النصارى الحرم المكي. ويشتمل على المطلبين..

المطلب الأول: حكم دخول الكافر مسجد الحرم المدني.

المطلب الثاني: حكم دخول الكافر المساجد الأخرى.

والخاتمة وفيها: أهم النتائج المستفادة، والتوصيات المقترحة.

تمهيد

إن العلماء المتقدمين والمتأخرين تكلموا وبينوا وفصلوا في هذه المسألة في مواضع مختلفة من كتبهم؛ على سبيل المثال كتب الجهاد، والأحكام السلطانية، وأحكام أهل الذمة، وأحكام الحرم؛وما شابه ذلك من المواضع ذات العلاقة والصلة بهذا الموضوع وذلك لما لها من أهمية كبيرة، في حياة المسلمين؛ جيث إنه لا يخلو عصر من العصور، ولا زمان من الأزمنة؛ إلا ويوجد عدد كبير من واليهود والنصارى يدخلون ديار المسلمين؛ لأغراض مختلفة وحاجات متنوعة سواء أكان يكون ذلك مؤقتاً عارضاً، كالزيارة أو التجارة أو السياحة أو العمل، وما شابه ذلك، أو مؤبداً دائماً لغرض السكنى والإقامة، فبناء على ذلك وضح وشرح الفقهاء أقسام هذا الدخول وأنواعه، ومن ذلك دخول جزيرة العرب على سبيل العموم، والحرم المكي والمدني على سبيل الخصوص.للمزيد من التوضيح وانظر تفسير البغوي واللباب لابن عادل الدمشقي الحنبلي عند آية التوبة:﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا﴾[1] وهناك حاجة شديدة

1. القرآن 28:9 .

ماسة في يومنا هذا وخاصة في شتى المجالات؛ الحياتية المعاصرة كالمجالات الطبية والهندسية المعمارية والتجارية. ومجال الخدمة، ويتمثل ذلك في العمالة المنزلية من خادمات وسائقين والعناية بالأطفال في بيوت وغير ذلك من هذا القبيل.[2]

المقدمة

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستهديه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

فتثور في كل زمان قضايا وتُستَحدّث نوازل في حياة الناس، وتحتاج إلى الشريعة الإسلامية كي تدلي فيها برأيها، وفي زماننا هذا كثرت النوازل والحوادث الجديدة، وكثر اجتهاد العلماء في حلها والإجابة عليها، وهم وإن اختلفت منازعهم ومناهجهم في الاجتهاد، إلا أنهم يصدرون في جملتهم عن الشريعة نصوصها وروحها فيما يدلون به من اجتهادات في هذه المسألة أو تلك. ومن الأمور التي اهتم بها الإسلام ورتب أحكامها علاقة المسلم بالمسلم وعلاقة المسلم بغير المسلم فاهتم العلماء بتدوين الأحكام المتعلقة بالمعاملات بين المسلمين ومثلها كذلك علاقة المسلم بغير المسلم المقيم في الدولة المسلمة. وفي هذه الدراسة حاول الباحث دراسة آراء العلماء في هذه القضية، عارضا لها ولاتجاهاتهم فيها وأدلتهم عليها، مع المقارنة بينها ومناقشتها بما يفتح الله به عليه. ولذلك تأتي أهمية هذا البحث المتواضع، كمحاولةٍ لبيان هذه الأحكام في الشريعة، والضوابط التي وضعها الشارع الحكيم – وذلك – لتحديد استيطان اليهود والنصارى في الحرمين الشريفين والله الموفق، والهادي إلى سواء السبيل.

---

2. للتفاصيل يرا جع حكم دخول الكافر حدود حرم مكة :بحث منشور بتاريخ 1431:5:24في موقع الشيخ سليمان الماجد المتوفر على الموقع الالكترونيwww.salmajed.com:node:10330

المبحث الأول: ماهية الحرم وحدوده

أولاً: تحرير محل النزاع

اتفق الفقهاء ـ رحمهم الله تعالى ـ على أنه لا يجوز للكفار الاستيطان في حرم مكة؛ لاتفاقهم على أنه لا يجوز للكفار استيطان في جزيرة العرب؛ و"سكنى أهل الذمة مع المسلمين إن كانت في جزيرة العرب فلا تجوز باتفاق"اهـ[3]لعموم الأدلة الواردة في الأمر بإخراج المشركين من جزيرة العرب،منها ما روي مالك في موطئه من حديث ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -ﷺ- قَالَ:«لاَ يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِى جَزِيرَةِ الْعَرَبِ».[4] فهم من ذلك المقاطعة الكلية، حتى في الأمور الدنيوية، فتأتي هذه الحادثة لتدل على أنه ﷺكان يتعامل معهم في البيع والشراء، وهكذا الدنيا اليوم، فيها أسواق عالمية، أوروبية وأمريكية، وأسواق الشرق

---

3. يراجع: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز، **رد المحتار على الدر المختار** الطبعة: الثانية، 1412هـ – 1992م، (بيروت، دار الفكر– ،4: 29)، والدسوقي، **حاشية الدسوقي على الشرح الكبير** 2 : 201، **الأم** 4 :100، (طبع كتاب الشعب) ، **والمغني** لابن قدامة 8 : 527 و **الموسوعة الفقهية الكويتية**25 :125.

4. مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي، **الموطأ**، في كتاب الجامع،باب ما جاء في اجلاء اليهود من المدينة، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبو ظبي – الإمارات، 1425هـ - 2004 م)حديث(1584)،2: 892. (جزيرة العرب) قال أبو عبيد قال الأصمعي جزيرة العرب ما بين أقصى عدن إلى ريف العراق في الطول وأما في العرض فمن جدة وما والاها إلى أطراف الشأم وقال أبو عبيدة هي ما بين حفر أبي موسى إلى أقصى اليمن في الطول وأما في العرض فما بين رمل يبرين إلى منقطع السماوة قالوا وسميت جزيرة لإحاطة البحار بها من نواحيها وانقطاعها عن المياه العظيمة وأصل الجزر في اللغة القطع وأضيفت إلى العرب لأنها الأرض التي كانت بأيديهم قبل الإسلام وديارهم التي هي أوطانهم وأوطان أسلافهم. وقال يعقوب بن محمد: سألت المغيرة بن عبد الرحمن عن جزيرة العرب، فقال: مكة، والمدينة، واليمامة، واليمن شرح السنة،11: 182. وحاشية صحيح مسلم،3: 1257.

الأوسط، والشرق الأقصى، والشرق الأدنى، وأسواق عالمية تتبادل فيها السلع بين الدول، فهذه أمور تعامل أو معاملات لا غبار عليها، وتقتضيها الحياة، كما قيل: الناس للناس من بدو و حاضرة بعض لبعض وإن لم يشعروا خدم فالتعاون من هذا القبيل لا شيء فيه.[5]

وغير ذلك كثيرة جدا وشهرتها تغني عن ذكرها هنا.

وقال الشيخ ابن تيمية رحمه الله:"ويمنعون من المقام في الحجاز وهو مكة والمدينة واليمامة والينبع وفدك وتبوك ونحوها وما دون المنحنى وهو عقبة الصواب والشام كمعان[6] لقوله تعالى:﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡمُشۡرِكُونَ نَجَسٞ فَلَا يَقۡرَبُواْ ٱلۡمَسۡجِدَ ٱلۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هَٰذَاۚ ﴾[7] والمراد حرم مكة؛ قال الشيخ ابن عثيمين في تفسيره:"ولهذا لا يجوز للمشركين وغيرهم من أهل الكفر أن يدخلوا أميال الحرم؛ لأنهم إذا دخلوها قربوا من المسجد الحرام"[8] وذكر الآية السابقة ولما رواه البخاري في صحيحه من حديث عبدالله بن عباس رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال: «أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ»[9] وجه الدلالة في هذا الحديث الشريف، أنه يجب إخراج اليهود والنصارى والمجوس من جزيرة العرب،وقوله ﷺ فيما رواه مسلم في صحيحه من حديث عمر بن خطاب قال:«لَأُخْرِجَنَّ

---

5. سالم، عطية بن محمد، **شرح بلوغ المرام** ، 5،38:4 :50، دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، على شبكة الانترنت بتاريخ 1-03-2016،http:::www.islamweb.net

6. ابن تيمية، **الاختيارات الفقهية** ، جمع وإعداد: سامي بن محمد بن جاد الله، الطبعة: الأولى، 1435 هـ: مكة المكرمة – (المملكة العربية السعودية ، دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع)، 2: 948 و"الفتاوى" (28: 630 – 631).

7. القرآن 9:28 .

8. محمد بن صالح، العثيمين، **تفسير القرآن الكريم** ، (الطبعة: الأولى، 1436 هـ، المملكة العربية السعودية، مؤسسة الشيخ محمد بن صالح العثيمين الخيرية)، 4:38.

9. محمد بن إسماعيل البخاري، **الجامع الصحيح** ،كِتَابُ الجِزْيَةِ،بَابُ إِخْرَاجِ اليَهُودِ مِنْ جَزِيرَةِ العَرَبِ، (المملكة العربية السعودية، دار طوق النجاة جدة 1422ه). حديث رقم (3168) 4:99.

الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا»[10] وجه الدلالة في هذا الحديث الشريف أن فيه دلالة صريحة واضحة على عزمه – ﷺ– على إخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، قال النووي : لأنه ﷺكان عازما على إخراج الكفار من جزيرة العرب، كما أمر به في آخر عمره.[11]

ثانياً:تعريف الحرم وحدوده

لفظ الحرم إذا أطلق وحده فإنه يراد به حرم مكة،وإذا قيل(الحرمان) فيراد بهما (مكة والمدينة) سميتا بذلك؛ لحرمتهما،: و جمعهما : أحرام[12]قال الله تعالى تبارك وتعالى:

﴿ اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾[13] وقال سبحانه: **﴿اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ﴾**[14]قال النووي في المجموع : "ومعرفة حدود الحرم من أهم ما يعتنى به لكثرة ما يتعلق به من الاحكام وقد اجتهدت في ايضاحه وتتبع كلام الائمة في اتقانه على أكمل وجوهه..."[15]

---

10. مسلم بن الحجاج النيسابوري، **المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم**، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، باب إخراج اليهود، والنصارى من جزيرة العرب، (بيروت لبنان دار إحياء التراث العربي)، حديث رقم 1767، 3: 1388
11. محيي الدين يحيى بن شرف النووي، **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج** – (بيروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة: الثانية، 1392ه)، 211:10
12. ينظر: الزَّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، **تاج العروس من جواهر القاموس**، المحقق: مجموعة من المحققين، (الناشر : دار الهداية)،31: 453
13. القرآن 57:28
14. القرآن 67:29
15. النووي، محيي الدين يحيى بن شرف، **المجموع شرح المهذب** ، (الناشر: دار الفكر)،7: 463-462

وهذه الحدود معلومة الآن ومحددة بعلامات ظاهرة بينة، قال الشيخ محمد بن عبد الله بن صالح السحيم في بحث له بعنوان (تعظيم الحرم) "وقد أعدَّ فضيلة الدكتور عبد الملك بن دهيش دراسة متكاملة عن حدود الحرم ـ بعنوان (الحرم المكي الشريف والأعلام المحيطة به . دراسة تاريخية وميدانية) ـ ضمنها صورا وخرائط ومخططات جوية من واقع القياسات الميدانية؛ ليتمكن من تحديد المسافة التي تبلغها دائرة الحرم، وقد قام بقياسها من واقع الطرق القديمة والحديثة، وخلص إلى التحديد التالي ..." أولا : من خلال الطرق القديمة إلى مكة :

1. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام منطقة التنعيم بلغت (6150) ستة كيلو ومئة وخمسين مترا .
2. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام منطقة ثنية النقوى، الموصلة للجعرانة (18) ثمانية عشر كيلو .
3. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام منطقة ثنية خلّ (أو جبل المَقْطَع) طريق الطائف نجد العراق السريع (12850) اثنا عشر كيلو وثمانمئة وخمسون مترا .
4. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام عرنة طريق الطائف القديم الملغى الآن (15400) خمسة عشر كيلو وأربعمائة متر
5. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام طريق اليمن القديم [17] سبعة عشر كيلو .
6. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام الحديبية (الشُّمَيسي) على طريق جدة القديم [20] عشرون كيلو.

ثالثاً:الحرم من خلال الطرق الحديثة

1. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام طريق جدة الذي يخترق حنك الغراب (أو ما يسمى أظلم الغربي) [22]اثنان وعشرون كيلا .
2. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام طريق الليث اليمن الجديد [17] سبعة عشر كيلا.

3. من جدار المسجد الحرام إلى أعلام طريق الطائف الهدا الجديد المار قرب قرن العابدية [15] خمسة عشر كيلا ونصف الكيل [16]

المبحث الثاني: حكم دخول اليهود أو النصارى الحرم المكي.وتحته مطلب.

وقداختلف الفقهاء في هذه المسألة على قولين:

القول الأول: تحريم دخول اليهود والنصارى حدود الحرم المكي مطلقاً، وإليه ذهب أكثر الفقهاء؛ منهم المالكية والشافعية والحنابلة واختيار ابن حزم وابن القيم واللجنة الدائمة للإفتاء بالمملكة العربية السعودية [17]وقال القرطبي في تفسيره الجامع لأحكام القرآن "(المسجد الحرام) هذا اللفظ يطلق على جميع الحرم، وهو مذهب عطاء، فإذاً: يحرم تمكين المشرك من دخول الحرم أجمع، فإذا جاءنا رسول منهم خرج الإمام إلى الحل ليسمع ما يقول،... فليس لهم الاستيطان ولا الاجتياز، وأما جزيرة العرب۔ وهي مكة والمدينة واليمامة واليمن ومخاليفها ۔ فقال مالك: يخرج من هذه المواضع كل من كان على غير الإسلام، ولا يمنعون من التردد بها مسافرين..."قال النووي في المجموع: "يمنع كل كافر

---

16. يراجع: الأستاذ الدكتور : محمد بن عبدالله بن صالح السحيم بتاريخ 1430ه–2009 المتوفر على الموقع الالكتروني: fac.ksu.edu.sa:malsuhaim:home

17. محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح القرطبي، الأنصاري الخزرجي، **الجامع لأحكام القرآن**، تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، الطبعة: الثانية، 1384هـ – 1964 م، (القاهرة،دار الكتب المصرية)، 8: 104.

الشافعي، الأم،4: 178، ابن قدامة، 9:286، ابن حزم، المحلى، 3:162، ابن القيم الجوزية،**أحكام أهل الذمة** ، (ص: 139)،وفتاوى اللجنة الدائمة للإفتاء بالمملكة العربية السعودية 2:99.

من دخوله مقيما كان أو مارا؛ هذا مذهبنا، ومذهب الجمهور" [18]اهـ

وأما المدينة يجوز لهم دخول الحجاز للتجارة ؛ لأن النصارى كانوا يتجرون إلى المدينة في زمن عمر رضي الله عنه وأتاه شيخ بالمدينة ، فقال : أنا الشيخ النصراني ، وإن عاملك عشرني مرتين .

فقال عمر: وأنا الشيخ الحنيف .

وكتب له عمر، أن لا يعشروا في السنة إلا مرة .

ولا يأذن لهم في الإقامة أكثر من ثلاثة أيام – على ما روي عن عمر، – ثم ينتقل عنه .

وقال القاضي: يقيم أربعة أيام حد ما يتم المسافر الصلاة .

والحكم في دخولهم إلى الحجاز في اعتبار الإذن ، كالحكم في دخول أهل الحرب دار الإسلام.[19]

ب– أدلة الجمهور

استدل الجمهور بما يلي:

أولاً: قوله تعالى:﴿ **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا**﴾[20]قال ابن جرير الطبري في تفسيره: "يقول للمؤمنين: فلا تدعوهم أن يقربوا المسجد الحرام بدخولهم الحرم، وإنما عنى بذلك منعهم من دخول الحرم؛

18. النووي، محيي الدين يحيى بن شرف،**المجموع شرح المهذب**، 7: 467، الخليل،مواهب الجليل لشرح مختصر 4: 595.

19. ابن قدامة، موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد، الطبعة: بدون طبعة، (الناشر: مكتبة القاهرة)،21: 263.

20. القرآن 9:28 .

لأنهم إذا دخلوا الحرم فقد قربوا المسجد الحرام" اهـ[21]ولهذا بعث رسول اللهّ ﷺعليا صحبة أبى بكر رضى اللهّ عنهما – عامئذ ، وأمره أن ينادى في المشركين : أن لا يحج بعد هذا العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. فأتم اللهّ ذلك وحكم به شرعا وقدرا[22]،وقال ابن القيم رحمه الله في أحكام أهل الذمة " فإن قيل: فالآية إنما منعت قربانهم المسجد الحرام خاصة فمن أين لكم تعميم الحكم للحرم كله. قيل: المسجد الحرام يراد به في كتاب الله تعالى ثلاثة أشياء نفس البيت والمسجد الذي حوله والحرم كله؟ فالأول كقوله تعالى: ﴿**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**﴾ [23]

والثاني: كقوله تعالى:﴿ **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ**﴾[24] على أنه قد قيل إن المراد به ها هنا الحرم كله والناس سواء فيه.

والثالث: كقوله:﴿ **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا**﴾ [الإسراء: 1][25] وإنما أسرى به من داره من بيت أم هانىء وجميع الصحابة والأئمة فهموا من قوله تعالى:﴿ **فَلَا**

21. محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب ، الطبري، **جامع البيان في تأويل القرآن** تحقيق: أحمد محمد شاكر، الطبعة: الأولى، 1420 هـ – 2000 م، (الناشر: مؤسسة الرسالة)،14:191.
22. ابن كثير، إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي **تفسير القرآن العظيم** المحقق: محمد حسين شمس الدين، الطبعة: الأولى – 1419 هـ، (بيروت، دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون)،2 :68. و طنطاوي، محمد سيد، **التفسير الوسيط للقرآن الكريم**، 6: 245.
23. القرآن 2:144 .
24. القرآن 22:25 .
25. القرآن 17:1 .

﴿يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا﴾[26] أن المراد مكة كلها والحرم ولم يخص ذلك أحد منهم بنفس المسجد الذي يطاف فيه.[27]

ولما رواه أحمد في مسنده من حديث جابر قال، قال رسول الله ﷺ لا يدخل مسجدنا هذا بعد عامنا هذا مشرك إلا أهل العهد وخدمهم.[28] وأيضا بما قال الإمام أبو عمرو الأوزاعي أنه : " كتب عمر بن عبد العزيز: أن امنعوا اليهود والنصارى من دخول مساجد المسلمين ، واتبع نهيه قوله تعالى: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [29] وقال عطاء : الحرم كله مسجد ، لقوله تعالى: ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا﴾[30] ودلت هذه الآية على نجاسة المشرك.[31] والنصارى مشركون بنص القرآن الكريم ، قال تعالى:﴿ لَقَدْ

26. القرآن 9:28 .

27. ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين، **أحكام أهل الذمة** ، المحقق: يوسف بن أحمد البكري - شاكر بن توفيق العاروري، الطبعة: الأولى، 1418 – 1997، (الدمام، رمادى للنشر 1)، : 215.

28. أحمد بن محمد بن حنبل، **المسند**، مسند جابر بن عبدالله τ، 1421 هـ - 2001 م، (بيروت، مؤسسة الرسالة)حديث رقم (15258)، 3: 392.قال محققه شعيب الأرنؤوط : إسناده ضعيف شريك - وهو ابن عبد الله النخعي - والأشعث بن سوار ضعيفان والحسن - وهو البصري - لم يسمع من جابر.

29. القرآن 9:28

30. القرآن 9:28

31. عبد الله بن عبد الرحمن، الجبرين، **فصول ومسائل تتعلق بالمساجد**، الطبعة : الأولى: التاريخ النشر، 1419هـ، المملكة العربية السعودية، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد ، (ص: 68) ،ومناظرة بين الإسلام والنصرانية، لنخبة من علماء المسلمين، الطبعة : الأولى، تاريخ النشر : 1407هـ، الناشر : الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية.(ص:70)

﴿كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾[32]

القول الثاني: جواز دخول أهل الذمة الحرم،المكي إذا كان ذلك بصلح أو إذن من الإمام وهو مذهب الحنفية. جاء في الهداية: "قال ولا بأس بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام" اهـ[33]وجاء أيضا في الدر المختار: "وأما دخوله المسجد الحرام فذكر في السير الكبير المنع وفي الجامع الصغير عدمه والسير الكبير آخر تصنيف محمد رحمه الله تعالى - فالظاهر أنه أورد فيه ما استقر عليه الحال انتهى" اهـ[34]وقال ابن عابدين:"قوله: فالظاهر أنه أورد فيه ما استقر عليه الحال أي: فيكون المنع هو المعتمد في المذهب[35]

واستدلوا على ذلك بما يلي

أولاً: ما روى شريك عن أشعث عن الحسن عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ قال: "لا يقرب المشركون المسجد الحرام بعد عامهم هذا إلا أن يكون عبدا أو أمة يدخله لحاجة"[36] وجه الدلالة من الحديث: قال الجصاص: "فأباح دخول العبد والأمة للحاجة لا للحج وهذا يدل على أن الحر الذمي له دخوله لحاجة إذ لم يفرق

---

32. القرآن 72:5

33. برهان الدين، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، **الهداية شرح بداية المبتدي**، المحقق: طلال يوسف، (بيروت – لبنان ، دار احياء التراث العربي)،4: 95

34. ابن عابدين، **رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار"** 16 :204

35. المرجع السابق 16 :204

36. الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي، **أحكام القرآن**؛ 4:280، المحقق: عبد السلام محمد علي شاهين، الطبعة: الأولى، 1415هـ:1994م، (بيروت – لبنان ، دار الكتب العلمية، والكتاب : البحوث العلمية)؛: لهيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية؛ رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء و 8:82

أحد بين العبد والحرا وإنما خص العبد والأمة ـ والله أعلم ـ بالذكر؛ لأنهما لا يدخلانه في الأغلب الأعم للحج" اهـ[37]

ثانياً: ما رواه الجصاص في أحكامه: حدثنا عبد الله بن محمد بن إسحاق المروزي قال: حدثنا الحسن بن أبي الربيع الجرجاني قال: أخبرنا عبد الرزاق: أخبرنا ابن جريج: أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد الله يقول في قوله تعالى:﴿ **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا**﴾[38] إلا أن يكون عبدا أو واحدا من أهل الذمة[39].

ويجاب عن هذين الدليلين: بما قاله الشيخ الألباني في الثمر المستطاب "وأما حديث جابر الذي احتج به أبو حنيفة فلا يصح؛ لأنه من رواية شريك عن أشعث بن سوار عن الحسن عنه، وهو في المسند من طريقين عن شريك، وله علتان..." فذكرهما ثم قال: "وقد جاء بإسناد قوي موقوفا على جابر وهو الصواب ..." ثم قال: "ثم قال أبو بكر الجصاص: (فوقفه أبو الزبير على جابر (يعني ورفعه الحسن) وجائز أن يكونا صحيحين فيكون جابر قد رفعه تارة وأفتى به أخرى.

قلت ـ يعني الألباني ـ وهذا الجمع حسن، ولكنه إنما يصار إليه إذا كان من رفعه حجة في روايته وحفظه، وقد علمت أن في الرواية المرفوعة علتين بخلاف هذه الموقوفة فكانت هي الراجحة" اهـ[40]

ثالثا: ما رواه القاضي أبو يوسف في الخراج: عن زياد بن حدير أنه مر عليه رجل نصراني فأخذ منه العشر أو نصفه، ثم انطلق فباع سلعته، فلما رجع مر عليه فأراد أن يأخذ

---

37. الجصاص، **أحكام القرآن**؛ المرجع السابق؛ 4:280
38. القرآن 9:28
39. المرجع السابق؛ 4:280.
40. محمد ناصر الدين، الألباني، **الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب**، الطبعة: الأولى، 1422 هـ، الكويت ، غراس للنشر والتوزيع ،(ص :780)

منه فقال: كلما مررت عليك تأخذ مني؟ فقال: نعم؛ فرحل الرجل إلى عمر بن الخطاب فوجده بمكة يخطب الناس وهو يقول:ألا إن الله جعل البيت مثابة للناس، قال: فقلت له: يا أمير المؤمنين، إني رجل نصراني مررت على زياد بن حدير فأخذ مني ... الحديث، أخرجه أبو يوسف في الخراج[41] [42]ووجه الدلالة منه ظاهرة؛ حيث لم ينكر عليه عمر ولا أحد ممن حضره دخوله مكة. ويجاب عنه: بأنه ضعيف؛ فأبو يوسف القاضي صاحب كتاب الخراج ـ وإن كان إماماً في الفقهـ متكلم فيه ومختلف في الاحتجاج بحديثه، وقد ضعفه البخاري والدارقطني وغيرهما.

رابعاً: أن آية التوبة نبهت على دخولهم الحرم عوضا عن دخول عباد الأوثان؛ فإنه سبحانه قال:﴿ **وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ**﴾[43]فأغناهم بهذا الخراج، الجزيةَ الجاريةَ عليهم، يأخذونها شهرًا شهرًا، عامًا عامًا، فليس لأحد من المشركين أن يقرب المسجد الحرام بعد عامهم بحالٍ، إلا صاحب الجزية، أو عبد رجلٍ من المسلمين.[44]

وقد أجاب عنه ابن القيم رحمه الله في كتابه أحكام أهل الذمة بقوله: "قيل: فإن قيل: فالآية نبهت على دخولهم الحرم عوضا عن دخول عباد الأوثان فإنه سبحانه قال:

---

41. أبو يوسف، يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري تحقيق : طه عبد الرءوف سعد ، سعد حسن محمد،الطبعة : طبعة جديدة مضبوطة - محققة ومفهرسة ، أصح الطبعات وأكثرها شمولا، المكتبة الأزهرية للتراث. 1 :146
42. قال في "سنده حسن" **إعلاء السنن** للتهانوي للشيخ حبيب أحمد كيرانوي، بيروت لبنان، دار الفكر ، الطبعة الأولى 1989م ، 8 :581
43. القرآن 9:28
44. الطبري ،**جامع البيان في تأويل القرآن** ، 14 :196

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ﴾[45] فإنها لما نزلت انقطع عنهم ما كان المشركون يجلبون إليهم من الميرة فأعاضهم الله بالجزية. قيل: ليس في هذا ما يدل على دخول أهل الجزية المسجد الحرام بوجه ما بل تؤخذ منهم الجزية وتحمل إلى من بالمسجد الحرام وغيره على أن الإغناء من فضل الله وقع بالفتوح والفيء والتجارات التي حملها المسلمون إلى مكة.

ليس في هذا ما يدل على دخول أهل الجزية المسجد الحرام بوجه ما، بل تؤخذ منهم الجزية وتحمل إلى من بالمسجد الحرام وغيره، على أن الإغناء من فضل الله وقع بالفتوح والفيء والتجارات التي حملها المسلمون إلى مكة" اهـ المراد من كلامه.[46] والذي يترجح عند الباحث والعلم عند الله هو قول الجمهور أهل العلم القائل بمنع دخول اليهود والنصارى الحرم المكي ؛ لظاهر الآية؛ و ذلك احتراماً وتعظيماً للحرم المكي ولأن الكفار ممنوعون من دخوله على التأبيد. وأما حرم المدني فيجوز لهم دخوله وخاصة إذا دخلوا للتجارة ؛ لأن النصارى كانوا يتجرون إلى المدينة في زمن عمر رضي الله عنه.

المطلب الأول: حكم دخول الكافر المسجد الحرم المدني و المساجد الأخرى

أما المساجد الأخرى غير المسجد الحرام فقد ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا يحل لهم دخولها بغير إذن المسلمين لما روى عياض الأشعري أن أبا موسى وفد إلى عمر ومعه نصراني، فأعجب عمر خطه فقال: قل لكاتبك هذا: يقرأ لنا كتابا، فقال: إنه لا يدخل المسجد، فقال: لم؟ أجنب هو؟ قال: لا، هو نصراني، قال: فانتهره عمر. فإن دخل من غير إذن عزر لما روت أم غراب قالت: رأيت عليا كرم الله وجهه على المنبر وبصر بمجوسي فنزل فضربه وأخرجه من باب كندة. وإن وفد قوم من الكفار ولم يكن للإمام موضع ينزلهم فيه جاز أن ينزلهم في المسجد،[47] لما روي أن النبي ﷺ أنزل سبي بني قريظة والنضير في

45. القرآن 9:28
46. ابن قيم الجوزية، **أحكام أهل الذمة**، 1 :213
47. النووي، **المهذب** 2 : 259، ابن قدامة، **المغني**، 8 : 532

مسجد المدينة،[48] وربط ثمامة بن أثال في المسجد كما أخرجه البخاري عن أبى هريرة " هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي المَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» فَقَالَ: عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ، إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ المَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ، فَتُرِكَ حَتَّى كَانَ الغَدُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» قَالَ: مَا قُلْتُ لَكَ: إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ، فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الغَدِ، فَقَالَ: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» فَقَالَ: عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ، فَقَالَ: «أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ» فَانْطَلَقَ إِلَى نَجْلٍ قَرِيبٍ مِنَ المَسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ المَسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، يَا مُحَمَّدُ، وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى الأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الوُجُوهِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ البِلاَدِ إِلَيَّ، وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ العُمْرَةَ، فَمَاذَا تَرَى؟ فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ، فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ: صَبَوْتَ، قَالَ: لاَ، وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلاَ وَاللَّهِ، لاَ يَأْتِيكُمْ مِنَ اليَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ، حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ ﷺ[49] وجه الدلالة في هذا الحديث الشريف أنه دل على فضل ونبل النبي ﷺ حيث أنعم على ثمامة بإطلاق سراحه دون فداء، مكافأة له على حسن جوابه. وفيه أيضا فائدة العفو عند المقدرة، فهو أقرب طريق إلى قلوب الرجال. وعند المالكية يمنع

48. حديث: "أن النبي ﷺأنزل سبي بني قريظة في مسجد المدينة. أورده الشيرازي في المهذب (2 : 321) ، إلا أنني لم أعثرعلى من أخرجه من المصادر الحديثية.

49 . محمد بن إسماعيل البخاري، **الجامع الصحيح**، كتاب المغازي، باب وفد بني حنيفة، وحديث ثمامة بن أثال، المملكة العربية السعودية، دار طوق النجاة جدة ، 1422ه، حديث رقم 4372، 5: 170، ومن فوائد هذا الحديث: أن حرم المدينة ليست حرم مكة في منع الكفار من دخولها وجه ذلك إقرار النبي ﷺ اليهود على البقاء في المدينة أما مكة فقال الله تعالى: {يأيها الذّين ءامنوا إنّما المشركون نجُس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا}.

الكافر من دخول المسجد وإن أذن له مسلم في الدخول، وهذا ما لم تدع ضرورة لدخوله بأن لم يوجد نجار أو بناء وغيره والمسجد محتاج إلى ذلك، أو وجد مسلم لكن كان الكافر أتقن للصنعة، فلو وجد مسلم مماثل له في إتقان الصنعة لكن كانت أجرة المسلم أزيد من أجرة الكافر فإن كانت الزيادة يسيرة لم يكن هذا من الضرورة وإلا كان منها على الظاهر. وإذا دخل الكافر المسجد للعمل فيندب أن يدخل من جهة عمله[50]

وما ذهب إليه المالكية هو رواية عند الحنابلة، قال ابن قدامة: وفيه رواية أخرى: ليس لهم دخوله بحال.

وعند الحنفية يجوز للكافر دخول المسجد، سواء أكان المسجد الحرام أم غيره من المساجد، لما روي أن النبي ﷺ أنزل وفد ثقيف في مسجده وهم كفار [51]، ولأن الخبث في اعتقادهم فلا يؤدي إلى تلويث المسجد، وقوله تعالى: ﴿ **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا** ﴾[52]محمول على الحضور استيلاء واستعلاء، أو طائفين عراة كما كانت عادتهم في الجاهلية فليس الممنوع نفس الدخول [53].

وذهب الشافعية والحنابلة ومحمد بن الحسن الشيباني إلى أن الكافر ليس له دخول المسجد الحرام بحال[54] لقوله تعالى:﴿ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا**﴾[55]

---

50. الدسوقي،**الشرح الكبير وحاشيته**،1: 139
51. حديث: "إنزال وفد ثقيف في مسجده ﷺ". ذكره ابن إسحاق في سيرته كما في **السيرة النبوية لابن هشام** (4 : 184)
52. القرآن 9:28 .
53. ابن عابدين، **الدر المختار وحاشية** 1 : 148، 5 : 248.
54. الرملي، شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة شهاب الدين، **نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج**، 8 : 86، الطبعة: ط أخيرة – 1404هـ:1984م، الناشر: دار الفكر، بيروت، و **إعلام**

ويقرب من هذا ما ذهب إليه المالكية إذ أنهم يرون أن الكافر يمنع من دخول المسجد مطلقا وإن أذن له مسلم ما لم تدع ضرورة لدخوله كعمارة[56]، وقالوا: إن الآية: ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾[57]عامة في سائر المشركين وسائر المساجد، وبذلك كتب عمر بن عبد العزيز إلى عماله، ونزع في كتابه بهذه الآية، ويؤيد ذلك قوله تعالى﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه يُسَبِّحُ لَه فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾،[58] ودخول الكفار فيها مناقض لترفيعها [59] وصرح الحنفية بأنه لا بأس بدخول أهل الذمة المسجد الحرام وسائر المساجد[60] واختلفوا في اجتياز الكافر الحرم بصفة مؤقتة، فذهب الشافعية والحنابلة وهو قول عند المالكية: إلى منع دخول الكفار إلى الحرم مطلقا، لعموم الآية. فإن أراد كافر الدخول إلى الحرم منع منه. فإن كانت معه ميرة أو تجارة خرج إليه من يشتري منه ولم يترك هو يدخل. وإن كان رسولا إلى إمام بالحرم خرج إليه من يسمع رسالته ويبلغها إياه. فإن قال: لا بد لي من لقاء الإمام وكانت المصلحة في ذلك خرج إليه الإمام، ولم يأذن له بالدخول. وإذا أراد مشرك دخول الحرم ليسلم فيه منع منه حتى يسلم قبله

الساجد للزركشي ص173، والمغني 8 : 531، والدر المختار 3 : 275، وتفسير القرطبي 8 : 105، و ابن القيم الجوزية، أحكام أهل الذمة 1 : 184 – 187

55. القرآن 9:28
56. الدسوقي، **الشرح الكبير مع حاشيته** 1 : 139
57. القرآن 9:28
58. القرآن 36:24
59. القرطبي، **تفسير الجامع لأحكام القرآن**، 8 : 104 – 105
60. البلخي، نظام الدين، لجنة علماء، **الفتاوى الهندية** 5 : 246، الطبعة: الثانية، 1310 هـ، الناشر: دار الفكر، والبناية 9 : 372، وتكملة فتح القدير 8 : 130 ط. الأميرية.

(61)قال الشافعية والحنابلة: وإذا دخل المشرك الحرم بغير إذن عزر ولم يستبح به قتله، وإن دخله بإذن لم يعزر وينكر على من أذن له (62)وقال الحنفية: لا يمنع الذمي من دخول الحرم، ولا يتوقف جواز دخوله على إذن مسلم ولو كان المسجد الحرام (63)يقول الجصاص في تفسير قوله تعالى:﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾(64) يجوز للذمي دخول سائر المساجد، وإنما معنى الآية على أحد الوجهين: إما أن يكون النهي خاصا في المشركين الذين كانوا ممنوعين من دخول مكة وسائر المساجد، لأنهم لم تكن لهم ذمة، وكان لا يقبل منهم إلا الإسلام أو السيف وهم مشركو العرب. أو أن يكون المراد منعهم من دخول مكة للحج، ويدل على ذلك قوله تعالى:﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۤءَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(65) الآية، وإنما كانت خشية العيلة لانقطاع تلك المواسم بمنعهم من الحج، لأنهم كانوا ينتفعون بالتجارات التي كانت في مواسم الحج (66).

النتائج والخاتمة وفيها أهم النتائج المستفادة، والتوصيات المقترحة.

الحمد لله الذي تتم بنعمته الصالحات،ولا حول ولا قوة إلا بالله، وأشهد أن محمدا عبدالله ورسوله، وصفيه من خلقه، صلوات الله وسلامه عليه وعلى آله وأصحابه،ومن

61. الجصاص، **تفسير الأحكام**، 3 : 88، وتفسير القرطبي 8 : 104، والزرقاني 3 : 142، و**الحطاب** 3 : 381، و**الجمل** 5 : 215، و**المغني** 8 : 529 – 531. **والأحكام السلطانية** للماوردي ص 167، و**الأحكام السلطانية** لأبي يعلى ص 195.
62. علي بن محمد بن محمد بن حبيب الماوردي، البصري البغدادي، **الأحكام السلطانية**، القاهرة، دار الحديث ، ص: 167، ولأبي يعلى ص 195.
63. زين الدين بن إبراهيم بن محمد ابن نجيم، ، **الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ**،1: 280 ، وتفسير الجصاص 3 : 88.
64. القرآن 9:28
65. القرآن 9:28
66. الجصاص، **تفسير الأحكام** 3 : 88

سار على نهجه إلى يوم الدين،أما بعد:فقد وفقني الله تعالى،بمحض فضله وكرمه،لإتمام هذا البحث المتواضع، فلم يبق لي إلا أن ألخص أهم ما توصلت إليه أثناء إعداده من نتائج علمية، وما أذكر به إخواني أهل العلم–طلابا وأساتذة–من توصيات نافعة لي ولهم جميعًا، ويكون ذلك كالآتي:

أولاً:النتائج: ومن خلال هذا البحث توصل الباحث إلى النتائج التالية:

1- عدم جواز دخول اليهود والنصارى الحرم المكي؛ لظاهر الآية؛ و ذلك احتراماً وتعظيماً للحرم المكي ولأن الكفار ممنوعون من دخوله على التأبيد. وأما حرم المدني فيجوز لهم دخوله وخاصة إذا دخلوا للتجارة ؛ لأن النصارى كانوا يتجرون إلى المدينة في زمن عمر.

2- يمنع الكافر من دخول المسجد وإن أذن له مسلم في الدخول، وهذا ما لم تدع ضرورة لدخوله بأن لم يوجد نجار أو بناء وغيره والمسجد محتاج إلى ذلك، أو وجد مسلم لكن كان الكافر أتقن للصنعة، فلو وجد مسلم مماثل له في إتقان الصنعة لكن كانت أجرة المسلم أزيد من أجرة الكافر فإن كانت الزيادة يسيرة لم يكن هذا من الضرورة وإلا كان منها على الظاهر. وإذا دخل الكافر المسجد للعمل فيندب أن يدخل من جهة عمله.

3- لفظ الحرم إذا أطلق وحده فإنه يراد به حرم مكة،وإذا قيل(الحرمان) فيراد بهما(مكة والمدينة) .

ثانيًا: أهم التوصيات المقترحة.

1- توصي الدراسة أهل الاختصاص أن ينظروا في مدى إمكانية فتح أقسام في كليات الشريعة تعنى بدراسة القضايا المعاصرة.

2- توصي الدراسة بتنشيط البحث العلمي بصورة مفصلة ومقارنتها بما ذكره القانونيون في مباحث الحقوق الإنسانية المدنية.

3- توصي الدراسة بتوجه جهود الباحثين المعاصرين في مجال الشريعة الإسلامية إلى استكمال البحث مفصل في مثل هذه القضية المهة.

قائمة المصادر و المراجع

أولاً: القرآن الكريم.

1- ابن الجبرين، عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين، **فصول ومسائل تتعلق بالمساجد**، الطبعة : الأولى: التاريخ النشر ،1419هـ، الناشر وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد - الرياض المملكة العربية السعودية.

2- ابن تيمية، أحمد بن عبدالحليم ، **الاختيارات الفقهية** جمع وإعداد: سامي بن محمد بن جاد الله، الطبعة: الأولى، 1435 هـ، الناشر: دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع، مكة المكرمة - المملكة العربية السعودية.

3- ابن حزم، على بن أحمد بن سعيد الأندلسي القرطبي الظاهري ، **محلى بالآثار** بدون طبعة وبدون تاريخ دار الفكر بيروت لبنان.

4- ابن حنبل، أحمد بن محمد بن هلال بن أسد الشيباني، **مسند الإمام أحمد** بن حنبل، المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي، الطبعة: الأولى، 1421 هـ - 2001 م، الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت لبنان.

5- ابن عابدين محمد آمين ، **رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار لخاتمة المحققين** دراسة وتحقيق وتعليق الشيخ عادل أحمدعبدالموجود والشيخ علي محمد معوض طبعة خاصة 1423ه-2003م دار عالم الكتب للطباعة والنشروالتوزيع الرياض المملكة العربية السعودية.

6- ابن قدامة عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي **المغني لابن قدامة** الطبعة: بدون طبعة الناشر: مكتبة القاهرة جمهورية مصر العربية.

7- ابن كثير إسماعيل بن عمر، **تفسير القرآن العظيم (ابن كثير)** المحقق: محمد حسين شمس الدين، الطبعة: الأولى - 1419 هـ، الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون – بيروت لبنان.

8- ابن منظور محمد بن مكرم بن على، **لسان العرب**، الطبعة: الثالثة - 1414 هـ، الناشر: دار صادر – بيروت.

9- ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد ، **الأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ** وضع حواشيه وخرج أحاديثه: الشيخ زكريا عميرات، الطبعة: الأولى، 1419 هـ - 1999 م، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان.

10- ابن هشام،: عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري، المحقق: طه عبد الرءوف سعد، السيرة النبوية لابن هشام، الناشر: شركة الطباعة الفنية المتحدة، أبو ظبي، الإمارات العربية المتحدة بدون تاريخ وبدون طبعة.

11- أبو يوسف، يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري، **الخراج**، تحقيق : طه عبد الرءوف سعد، سعد حسن محمد، المكتبة الأزهرية للتراث، القاهرة جمهورية مصر العربية.

12- الأصبحي، مالك بن أنس بن مالك بن عامر المدني الموطأ، المحقق: محمد مصطفى الأعظمي، الطبعة: الأولى، 1425 هـ - 2004 م، الناشر: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبو ظبي – الإمارات العربية المتحدة بدون تاريخ وبدون طبعة.

13- الألباني، محمد ناصر الدين، **الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب**،الطبعة: الأولى، 1422 هـ،

14- البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله ،**الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = صحيح البخاري**، المحقق: محمد زهير بن ناصر الناصر، ، الطبعة: الأولى، 1422ه ،الناشر: دار طوق النجاة جدة - المملكة العربية السعودية.

15- البلخي لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، **الفتاوى الهندية**، الطبعة: الثانية، 1310 هـ، الناشر: دار الفكر بيروت لبنان.

16- الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الحنفي، **أحكام القرآن** المحقق: محمد صادق القمحاوي - عضو لجنة مراجعة المصاحف بالأزهر الشريف،تاريخ الطبع: 1405 ه، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت لبنان.

17- الحطاب شمس الدين محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي، **مواهب الجليل في شرح مختصر خليل**الطبعة: الثالثة، 1412هـ - 1992م، الناشر: دار الفكر لبنان.

18- الدسوقي، محمد عرفة الدسوقي ، **حاشية الدسوقي على الشرح الكبير**، تحقيق محمد عليش دار احياء الكتب العربية عيسى البابي الحلبي وشركاه، القاهرة جمهورية مصر العربية.

19- الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد. **مناظرة بين الإسلام والنصرانية، لنخبة من علماء المسلمين**، الطبعة : الأولى، تاريخ النشر : 1407هـ- الرياض المملكة العربية السعودية.

20- الزَّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، **تاج العروس من جواهر القاموس**، (المتوفى: 1205هـ)، تحقيق: مجموعة من المحققين، الناشر: دار الهداية للنشر والتوزيع.

21- **الزرقاني**،محمد بن عبد الباقي بن يوسف المصري الأزهري، **شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك**، تحقيق: طه عبد الرءوف سعد، الطبعة: الأولى، 1424هـ - 2003م، الناشر: مكتبة الثقافة الدينية – القاهرة.

22- الشافعي، محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي، **الأم**،الطبعة: بدون طبعة، سنة النشر: 1410هـ/ 1990م. الناشر: دار المعرفة – بيروت.

23- الشربيني،الشمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب ، **مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج** الطبعة: الأولى، 1415هـ - 1994م، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان.

24- الشيباني، محمد بن الحسن إملاء الإمام محمد بن أحمد السرخسي الدكتور كمال عبدالعظيم العناني، **شرح كتاب السير الكبير**، تحقيق أبي عبدالله محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي منشورات محمد علي بيضون، الطبعة: الأولى، 1417 هـ - 1997 م، دار الكتب العلمية بيروت لبنان.

25- الشيرازي إبراهيم بن علي بن يوسف، **المهذب في فقة الإمام الشافعي**، بدون طبعة وبدون تاريخ الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان.

26- الطبري، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، **تفسير الطبري = جامع البيان عن تأويل آي القرآن**، (المتوفى: 310هـ)، تحقيق: الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي، بالتعاون مع مركز البحوث والدراسات الإسلامية بدار هجر الدكتور عبد السند حسن يمامة، الطبعة: الأولى، 1422 هـ - 2001 م، الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان، الجيزة - بولاق الدكرور، مصر.

27- العجيلي، سليمان بن عمر بن منصور،**فتوحات الوهاب بتوضيح شرح منهج الطلاب المعروف بحاشية الجمل** (منهج الطلاب اختصره زكريا الأنصاري من منهاج الطالبين للنووي ثم شرحه في شرح منهج الطلاب)، الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ، الناشر: دار الفكر بيروت لبنان.

28- العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر الشافعي، **فتح الباري شرح صحيح البخاري**، ترقيم كتبه وأبوابه وأحاديثه: محمد فؤاد عبد الباقي: محب الدين الخطيب وعلق عليه عبد العزيز بن عبد الله بن باز. دار المعرفة - بيروت، 1379.

29- الفارابي، إسماعيل بن حماد الجوهري **الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية**، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار الطبعة: الرابعة 1407 هـ -1987، الناشر: دار العلم للملايين – بيروت لبنان.

30- القرطبي محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري، **الجامع لأحكام القرآن** ، تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، الطبعة: الثانية، 1384هـ – 1964 م، الناشر: دار الكتب المصرية – القاهرة.

31- كيرانوي،شيخ حبيب أحمد **إعلاء السنن**، الطبعة الأولى 1989م دار الفكر بيروت لبنان.

الماوردي علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، **الأحكام السلطانية**، الناشر: دار الحديث – القاهرة بدون طبعة.

32- **المرغيناني**، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني، **الهداية في شرح بداية المبتدي**، (المتوفى: 593هـ)، المحقق: طلال يوسف، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان.

33- النيسابوري، علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، **الوسيط في تفسير القرآن المجيد**، تحقيق وتعليق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، الشيخ علي محمد معوض، الدكتور أحمد محمد صيرة، الدكتور أحمد عبد الغني الجمل، الدكتور عبد الرحمن عويس، قدمه وقرظه: الأستاذ الدكتور عبد الحي الفرماوي، الطبعة: الأولى، 1415 هـ - 1994 م، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان.

34- النيسابوري، مسلم بن الحجاج القشيري **المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم** تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت لبنان. وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت، **الموسوعة الفقهية الكويتية**، الطبعة: (من 1404 - 1427 هـ)

35- يمامة، الدكتور عبد السند حسن،**البحوث والدراسات الإسلامية بدار هجر**، الطبعة: الأولى، 1422 هـ - 2001م، الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان الجيزة - بولاق الدكرور جمهورية مصر العربية.

المواقع الالكترونية:

1- حكم دخول الكافر حدود حرم مكة / موقع الشيخ سليمان الماجد بحث منشور بتاريخ 24/ 5/ 1431 المتوفر على الموقع الالكترونيwww.salmajed.com/node/10330

2- الأستاذ الدكتور / محمد بن عبدالله بن صالح السحيم بحث منشور بتاريخ 1430ه-2009 المتوفر على الموقع الالكتروني: fac.ksu.edu.sa/malsuhaim/home

3- عطية بن محمد سالم، شرح بلوغ المرام (المتوفى : 1420هـ)، مصدر الكتاب : دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، بتاريخ 1-03-2016، http://www.islamweb.net

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(1), 01-13

THE SCHOOL EDUCATION OF MUSLIM CHILDREN IN EUROPE: A REVIEW OF COMPARATIVE PERSPECTIVES

Vasco Fronzoni (PhD)*[1]

*Professor (Muslim Law), University of Naples "L'Orientale", Italy

Keywords

Islamic Schools; Education; Religious Harmony; Immigrants; Europe

Abstract: *Over time, the world has become a global village. People of different colors, races, religions and other identities have started living in one place in one society. Where this lifestyle has brought some advantages and conveniences to the mankind, it has also caused a lot of problems in various dimensions. Out of these challenges, religious harmonization along with other cultural issues is main concern for European immigrant Muslim children. This challenge becomes more serious for Islamic school children when they enter into secular education system which is totally different from their Islamic schools in terms of environment and spend more of their time into it. The objective of the study is to review the experiences of different societies in Europe on topic and to highlight the importance of problem to be dealt in handful way. The study submits that Muslim immigrant children faces series of problems like gender separation in coeducational environment for girls, cultural issues, language berries, and dressing codes for girls. The study concludes that children whether they be Muslim or belong to other religious or cultural communities, are fully entitled to grow up in a healthy way, harmoniously developing their personal skills, in the context of the frame of reference envisioned for them by their parents or by those with parental responsibility, who have the onerous task of ensuring their smooth transition towards adulthood.*

Vasco, F. (2020). The School Education of Muslim Children in Europe: A Review of Comparative Perspectives. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(1), 1-13.

© 2020 AUJIS. All rights

1. Email: m.ashfaq.hrp@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

1. Introduction

In contrasting Islamic religious-judicial institutions with those of Western society, knowledge of each, together with a harmonization of traditions, religious precepts and cultural traits are today the aim of integration. In the present multicultural European society, numerous benchmark institutions and legal arguments need to be understood, if an effective integrated effort is to be achieved, particularly when the issues at stake have to do with religious feeling.

Religious affiliation with the Muslim community establishes an obligation for all believers to behave in a certain way, adopting and observing particular codes of conduct and acts of worship in an unconditional and ineluctable manner, independently of whether the believers live in Islamic States, in secular Nations or where a different religion is predominant.

Any conflicts may be managed through mutual understanding. The desire to know and understand each other would be best addressed first through Islamic youth, who are inevitably more exposed to the consequences of possible critical issues. In fact, Islamic schoolchildren, especially those coming from immigrant environments, face a series of problems from their first entry into the education system where they inevitably spend most of their days. Objective of the study is to review the experiences of different societies in Europe on topic and highlights the importance of problem to be dealt in handful way. Yet the topic is explored at limited level.

2. Pluralism for integrated schools

When Muslim children go to “diaspora” schools for the first time they often seem disoriented, in that they come across the first main differences from their background, starting with the teacher-student relationship. In the new educational system, in fact, the absence of severity and the continuing dialogue with teachers are often misinterpreted as weaknesses and lack of authority, and it all seems far too permissive. Consequently, in such an apparently liberal context, the new pupil believes that anything goes. Whereas instructional upbringing in the home environment is based on firmness with little paternal flexibility, in a manner consistent with Islamic pedagogic methods, the permissiveness that pervades the school environment generates a significant contrast that may

disconcert even the strongest and most resolute characters.[1]

A further issue is gender interaction.[2] In the Muslim world, girls and boys are separated from the age of seven and any form of contact ceases at home, since any possible communication is effectively suppressed. This separation also continues in the school environment where pupils have teachers of their own sex. In Italy, as in the rest of Europe, where teachers can be a mix of male and female, it may be that male Muslim pupils have to follow the instructions of female teachers, and subjecting to a woman undermines the concept of male virility that exists across the Muslim world. Children have not been educated to distinguish sexual identity and roles and have difficulties in adapting.[3] Moreover, in Western schools where classes are mixed, children no longer encounter separation between girls and boys, as they are accustomed to in their countries of origin. It happens much more often than one might think that children have difficulty in interacting in such a casual environment, when they actually may refuse, more or less freely, to attend school.

A Muslim boy finding himself in a new context is torn between trying to integrate into the host society and the desire/need to retain the cultural values and benchmarks of his origins. He is thus put under considerable stress.[4] The delicate task of teachers is to help young Muslims to deal with this conflict, but they do not always manage to do so.

Emblematic in this sense is the case in 2013 in Denmark where an external examiner in the town of Horsens in Jutland had previously announced that, because of his observance of the Islamic faith, he would not shake hands with the female students under examination. One of these female students, probably not happy with the teacher's attitude, had reported the school for discrimination. Controversy arising from this action involved even high-level authorities such as the Minister of Education, who pointed out that it was the specific responsibility of the school administration to create a tranquil environment where the students could

---

1. Antonio Cuciniello, "*Aspetti pedagogici dell'islam*" in *Islam a scuola: esperienze e risorse*, ed. Costanza Bargellini & Elisabetta Cicciarelli (Milan: ISMU Foundation, 2007), 47.
2. Rosalba Lo Cicero, "*L'autobiografia interculturale*" in *La scuola delle culture. Riflessioni pedagogiche situate*, ed. Fabrizio Manuel Sirignano & Pascal Perillo, (Lecce: Pensa Multimedia Editore, 2019), 304.
3. Cuciniello. *Aspetti pedagogici dell'islam*, 47.
4. Maria Rita Vittori. *Famiglia e intercultura*. (Bologna: Emi, 2003), 64.

take their examinations.[5] Lending support to this episode is a similar case in 2016 in Switzerland, regarding two Syrian brothers. They had refused to shake hands with their female teacher, contravening a customary practice at the school in *Therwīl* (Basel-Country) but which, for them, contravened the Islamic rule of non-interaction between the sexes.[6] The school administration exempted the two brothers from the handshake − a decision that triggered a wave of indignation and reactions even from the authorities themselves, including the Swiss Minister of Justice, who stated that the situation was not acceptable in the name of freedom of belief.[7] Because of the tension caused by the episode, with the submission of parliament interpellation no. 098/2016,[8] the Basel-Country Department of Education, Culture and Sport issued a circular that sanctioned shaking hands with teachers as obligatory and a token not only safeguarding religious freedom, but also an important action for the future integration of students in their professional lives. The document justified this decision by stating that public interest in equality between men and women and in integration of foreigners should prevail over the religious freedom of individual students. The school authorities further maintained that unwillingness to shake hands with a teacher of the opposite sex posed a new problem, aside from those of wearing the veil and of swimming lessons, about which the courts of the Confederation had already commented. The circular was therefore necessary since the refusal by a student to shake hands on religious grounds involved the teacher and classmates in a religious act against their wishes and violated their religious freedom. For these reasons, it needed to be sanctioned with a fine.[9]

3. Intercultural approaches

As far back as 2012, the Italian Ministry of Education, University and Research sanctioned the need to establish suitable intercultural approaches to teaching:

---

5. Accessed November, 13, 2019, http://cphpost.dk/news/national/handshake-refusal-continues-to-stoke-debate.html/
6. Accessed November, 13, 2019, https://lenews.ch/2016/04/05/muslim-school-pupils-exemption-from-handshaking-causes-a-stir-in-switzerland/
7. Accessed November, 21, 2019, https://www.ilmattino.it/primopiano/esteri/svizzera_scuola esonera_alunni_musulmani_da_stretta_di_mano_con_insegnante-1650276.html/
8. Accessed December, 05, 2020, www.baselland.ch/
9. Canton Basle-Country, Department for Education, Culture and Sport circular of 25 May 2016 with rules for handshaking in schools, in *Diritto e Religioni*, 1/2016, 698.

> "*(…) until the recent past, schools had a duty to train national citizens in a uniform culture. Today, however, schools play a wider role in training about living together, precisely through appreciation of the diverse identities and cultural roots of each student (...) schools must plan and establish specific teaching programmes to respond to the educational needs of their students. Particular attention should be given to pupils with non-Italian citizenship (…) among these are pupils who have just arrived in Italy and those who were born here. These pupils need different measures not only covering the teaching of Italian, but also the overall teaching plan of the school and the staff of every discipline*".[10]

Therefore, the choice is for integrated education. A core feature of school integration for pupils of non-Italian citizenship is their allocation among schools and in classes. In order to avoid a concentration of non-Italian pupils in particular schools and instead encourage well-balanced allocation, MIUR has established certain organizational criteria. According to these provisions, the number of pupils of non-Italian citizenship with a limited knowledge of Italian should not normally exceed 30% of all students in each class and in each school.[11]

4. Language skills

Newly arrived students with limited language skills are generally put in classes on their own or they take preparatory lessons in order to acquire the appropriate skills to attend normal lessons. Nevertheless, such a separation may hinder the rate of the integration process so that 21 countries, including Italy, limit its length, generally up to a maximum of one or two years. Moreover, a somewhat dated statutory provision establishes that when allocating classes, pupils of the same language group should be together, where possible. However, they should not be more than five per class.

10. MIUR. Ministry of Education, University and Research, Annali della Pubblica Istruzione. *Indicazioni nazionali per il curricolo della scuola dell'infanzia e del primo ciclo d'istruzione*. (Florence: Le Monnier, 2012), 10-34.
11. MIUR circular no. 2 of 8 January 2010 with guidance and recommendations for the integration of pupils of non-Italian citizenship.

In this regard, it seems sensible to allocate a few foreign pupils per class, in order to help their language integration gradually, while it may be useful to form groups of more than five in moments of specific language activity. It is at school that children of immigrants learn to interact with those “others” whose mother tongue, surname and, in some cases, appearance itself are different.[12] It is in the classroom that foreign children bond with the linguistic and cultural codes of the society in which their parents have chosen to live. It is here too that they acquire the practical and cognitive tools with which, once they have grown up, they may attain social integration. For these reasons, in studying the phenomenon of migration, the scientific community immediately focused on schools.[13]

5. Food and religion

The school cafeteria is yet another imperative for Muslim students. In order to promote social integration and coexistence, a multicultural school must take the eating habits and needs of its students into account. This refers both to health factors such as allergies and intolerance, and to religious values.[14] Nevertheless, balancing a *hal┐l* menu in a school cafeteria does not only mean eliminating pork, as is often mistakenly believed. It means following a broader more complex procedure. On the topic of meat, all food consumed by believers must have reached the end product through observance of clearly defined product specifications that trace the origin of the product, method of slaughter, processing, preparation and distribution of food for and in school cafeterias.

Yet even by observing *hal┐l* product specifications, schools would still not be integrated and mindful of their Muslim students’ right to religious freedom. Care is also needed when serving food, in order to respect the religious requirements of the children properly. In fact, during the month of fasting, believers must abstain from food, drink (and sexual intercourse) from dawn to dusk.[15] Such commitment is no small matter and

12. Presidential decree (D.p.r.) no. 722 of 10 September 1982, Implementation of directive (EEC) no. 77/486 relative to the education in schools of children of immigrant workers.
13. Marco Orioles, *E dei figli, che ne facciamo? L’integrazione delle seconde generazioni di immigrati*. (Rome: Arcana, 2015), 139.
14. Maria Chiara Giorda, Luca Bossi & Elena Messina, “*Il progetto A tavola con le religioni*. *Alcuni dati”* in *Reset Dossier*, 6/2014.
15. Cornelis Christiaan Berg, s.v. “Sawm”. In *The Encyclopaedia of Islam,* (Leiden: Brill, 1997), IX: 94.

the school administration – apart from not expecting too much from Muslim pupils in this specific period of the year (Month of *Ramadhān*) when they are subject to a special regime and to stress – should also attempt to think of alternative ways of serving a meal. For example, the school cafeterias could prepare lunchboxes or packed lunches, as they already do for trips, so that the children could eat at *iftār* as they return home or once they get there.

6. Physical education and religion at school

Another aspect to be considered in schools is physical education, which in Western contexts is taught in mixed classes. In Islamic ethics, the sexes must not interact in public places and separation of the sexes is considered a factor of social rules and coherence, in order to maintain a chaste society, free from awkward situations, from close contacts and from any form of sin. Control of the collective morality is expressed through control of the female body and, in fact, in Islam little girls are brought up from childhood to regard the rules of separation as the foundation for all social action. Moreover, in a large number of religious school systems in Islamic countries, physical education for girls is not envisaged on the curriculum.[16] It is therefore easy to imagine, in contexts with a non-Islamic majority, how prejudices and difficulties arise in attending a mixed class.[17]

The problem is exacerbated when it comes to attending the hour of physical education. The closeness and physical togetherness that often characterize physical activity at school are not seen as appropriate by those parents who have a more conservative view in the Islamic sense. They may even be firmly opposed if the gym outfit means uncovering the female body, as may happen with athletic shorts or, in an extreme case, with a swimming costume. In these scenarios, daughters are not allowed to participate in such school activities. In some cases, particularly when the school does not accept these objections and expects compliance with

16. Paul de Knop, Marc Theeboom, Helena Wittock & Kristine De Martelaer. *Implications of Islam on Muslim Girls Sport Participation in Western Europe. "Literature Review and Policy Recommendations for Sport Promotion*" in *Sport, Education and Society*, 1996, 2: 153.
17. Alessandro Ferrari. *Islam in Europa, Islam in Italia: tra diritto e società*, (Bologna: Il Mulino, 2008), 176. Accessed December 16, 2019. https://www.dailymuslim.it/scuola-no-alle-classi-miste-mamma-musulmana-non-vuole-promiscuita-in-palestra/http://espresso.repubblica.it/inchieste/2015/04/08/news/islam-contro-la-promiscuita-io-educo-i-miei-figli-a-casa-1.207228/

compulsory schooling and the right to education, Muslim girls are withdrawn from school.[18] There are not many such cases in the European context, although some situations are reported that may also involve the law.

In Germany, a first incident was an appeal presented by the parents of a little girl, asking for their daughter to be exempted from compulsory school swimming lessons. This was refused by the school authorities and the parents appealed against the decision in that the Islamic faith of the family, and thus also of the child, created a conflict of conscience in the young student, because of the physical contact with her classmates during swimming lessons in the pool. In 2012, the Bremen Administrative Court rejected the family's appeal, judging that a conflict of conscience was extremely unlikely in a child of eight, especially since it is only from the age of 12 and upwards that the German system accepts requests for exemption from physical education lessons.[19] A second ruling, in line with the preceding one, was recorded the following year. Female Muslim pupils in compulsory education cannot be exempted from mandatory swimming lessons with their male companions by invoking the right to religious freedom. However, educational institutions cannot stop them from wearing a *burkīni* when taking part in lessons in the pool, since one of the aims of schools is to integrate all the students, and thus promote participation in educational activities, quite apart from the clothing selected to take part in these activities.[20]

In the United Kingdom, the education system reflects the same approach to multiculturalism seen at the central level. Although recognizing themselves as British citizens and respecting the system, people are encouraged to value their own identities, including their religious ones. Because of this integration promoting diversity, it is possible to choose to attend both single-sex and non-denominational classes at school level. In such contexts, physical education is promoted in that the difficulties caused by mixing the sexes are overcome, thus allowing Muslim girls, but

---

18. Sandra Chistolini. *L'antirazzismo in Italia e Gran Bretagna. Uno studio di educazione comparata*, (Milan: Franco Angeli, 2000), 121.
19. Court of Bremen (Oberverwaltungsgericht der Freien Hansestadt Bremen), sentence no. 1 B 99/12 of 13 June 2012, accessed December 15, 2019. https://dejure.org/ext/016b487654b22eb9793998c37eb2da74/
20. German Federal Administrative Court (Bundesverwaltungsgericht), sentence No. BVerwG 6 C 25.12 of 11 September 2013, accessed December 15, 2019. https://www.bverwg.de/ 110913U6C25.12.0/

especially families in some cases, to participate without problems in sport interaction without fear of undermining their cultural-religious identities.[21]

In Northern Europe, communities of immigrants coming from Islamic countries are numerous, particularly the Pakistani community in Norway and Denmark. Various studies show how difficult it is for girls and young women to be able to do sports, both at school and in sports clubs outside school hours.[22] Resistance is always due to family conditioning that requires a female role model, who is reserved and retiring compared with males, does not interact and does not get involved even in sports that are less energetic and would require less physical interaction, such as cricket, for example.[23]

In Switzerland, in 2010, a particular case had arisen when two parents, of Turkish origin but naturalized Swiss, had decided not to allow their teenage daughters to attend the compulsory swimming lessons at the school in Basel where they were enrolled, given the incompatibility of the mixed swimming courses with the feelings of modesty they wanted to instil in their daughters before puberty, in a manner consistent with their interpretation of the Muslim religion. Because of their decision, the parents had been ordered by the school authorities to pay an administrative fine, against which they had brought proceedings, considering the fine to be a violation of Article 9 of the European Convention on Human Rights. The Court of Strasbourg with its decision of 10 January 2017, while admitting that the refusal on the part of the school authorities to exempt the girls from the mixed swimming lessons represented interference in the right of freedom of religion, established that the balance of interests should lean towards the right of foreign youth to be protected from any form of social exclusion. Consequently, the importance for students to receive a complete and inclusive education that would help them to integrate fully with the

21. Jane McGee & Ken Hardman, "*Muslim schoolgirls' identity and participation in school-based physical education in England*" in *Sport Logia*, 8/2012; Tansin Benn & Gertrud Pfister "*Meeting needs of Muslim girls in school sport: case studies exploring cultural and religious diversity*" in *European Journal of Sport Science*, 5/2013.
22. Tansin Benn, Symeon Dagkas & Haifaa Jawad, "*Embodied faith: Islam, religious freedom and educational practices in physical education*" in *Sport, Education and Society*, 1/2011.
23. Kristin Walseth & Ase Strandbu, "*Young Norwegian-Pakistani women and sports: how does culture and religiosity matter?*" in *European Physical Education Review*, 4/2014, 494.

local customs and traditions should prevail over the parental wish to exempt children from mixed lessons, even if for reasons pertaining to the right to religious freedom.[24]

In Italy, the situation is similar to the European context where cases, although present, are limited. However, there are some cases where families with pupils of school age, sensitive to the disapproval of the ethnic and cultural environment of their origin or to the more traditionalist views of Islam, take their rejection of “promiscuousness” to the point whereby they withdraw their daughters from school.[25]

This inflexible non-acceptance is faced with the two elements of safeguarding religious diversity and freedom on the one hand while respecting the obligation for compulsory schooling and training on the other, where teachers assume the parental responsibility for children and their related right to education. The attitude of parents is not always endorsed by the imams of their local mosque, from whom they often seek advice. The imams feel that it is pointless to oppose contact between the sexes in a school environment since this nonetheless happens in daily life. They acknowledge the situation and suggest an intermediate approach, which reconciles compulsory school attendance with the desire for modesty. They suggest wearing an extra-large tracksuit for the hour of physical education and, if possible, a veil as well.[26] This pragmatic approach, which selects permissibility of contact according to the degree of cover-up, may find an obstacle in regard to swimming lessons or other activities in the pool. In fact, the regulations on swimming activities, in general, for reasons of hygiene do not provide for the possibility of wearing a *burkīni*.

---

24. European Court on Human Rights. Application 29086/12 (Switzerland: Osmanoglu and Kocabas) v.
25. Accessed December 20, 2019. https://www.ilmessaggero.it/scuola/scuola_musulmani_rifiuto _classi_miste-4135136.html/ ;http://espresso.repubblica.it/inchieste/2015/04/08/news/islam-contro-la-promiscuita-io-educo-i-miei-figli-a-casa-1.207228/; accesssed 20, 2019. https://www.dailymuslim.it/scuola-no-alle-classi-miste-mamma-musulmana-non-vuole-promiscuita-in-palestra/
26. Renzo Guolo, “*Islam e scuola pubblica: orientamenti di genitori di religione islamica in Piemonte*” in *Ricerche di Pedagogia e Didattica*, 4/2009, 11.

7. Conclusions

In conclusion, young people, whether they be Muslim or belong to other religious or cultural communities, are fully entitled to grow up in a healthy way, harmoniously developing their personal skills, in the context of the frame of reference envisioned for them by their parents or by those with parental responsibility, who have the onerous task of ensuring their smooth transition towards adulthood.

This principle is reinforced when the frame of reference is religiously oriented, according to the rules of divine inspiration intended to structure a prosperous, healthy and virtuous society. If, therefore, respect for the rules, however unwavering and invariable, does not undermine other State principles of order, such as public decency or even public safety or individual health (as sometimes happens with certain pseudo-religious sects), the sense of democracy of an ancient legal culture such as that of European Nation may accept a religious pluralism without falling into religious identity neutralization in the public arena or assimilationist secularism, which represents cultural illiteracy.[27]

Young Muslims, therefore, have the right to be able to grow up as Italian or European citizens, or even just as residents, without having to relinquish their religious sensitivity. National legislation, community-level policies and dialogue among European courts comply with the specific religious requirements of a monolithic monotheism such as Islam, albeit with due regard for national boundaries of order. This is rich area of research that can be extended to harmonize the differences among nations.

Bibliography

1. Canton Basle-Country, Department for Education, Culture and Sport circular of 25 May 2016 with rules for handshaking in schools. In *Diritto e Religioni*, 1/2016: 698.

---

27. For an overall view of the subject see, among others, Alberto Melloni (ed.). *Rapporto sull'analfabetismo religioso in Italia*. (Bologna: Il Mulino, 2014); Enzo Pace, *Le religioni nell'Italia che cambia*. Mappe e bussole. (Rome: Carocci, 2013); Paolo Naso, "*Per una didattica del pluralismo religioso come patrimonio sociale*" in European Federation for Freedom of Belief (ed.). *Diritto e libertà di credo in Europa, Un cammino difficile,* (Pisa: Pacini Editore, 2018).

2. Cornelis Christiaan Berg, s.v. *Sawm. In The Encyclopaedia of Islam.* Leiden: Brill, 1997.
3. Cuciniello, Antonio. *Aspetti pedagogici dell'islam.* Milan: ISMU Foundation, 2007.
4. De Knop, Paul, Marc Theeboom, Helena Wittock, and Kristine De Martelaer. Implications of Islam on Muslim girls' sport participation in Western Europe. Literature review and policy recommendations for sport promotion. *Sport, education and society*. 2: 153 (1996).
5. European Court on Human Rights. Application 29086/12 Osmanoglu and Kocabas v. Switzerland
6. Ferrari, Alessandro, ed. Islam in Europa, Islam in Italia: tra diritto e società. *Mulino.* 32: 2 (2008). https://www.dailymuslim.it/scuola-no-alle-classi-miste-mamma-musulmana-non-vuole-promiscuita-in-palestra/
7. For an overall view of the subject see, among others, Alberto Melloni (Ed.). *Rapporto sull'analfabetismo religioso in Italia*. Bologna: Il Mulino, 2014; Enzo Pace. *Le religioni nell'Italia che cambia*. Mappe e bussole. Rome: Carocci, 2013; Paolo Naso. *Per una didattica del pluralismo religioso come patrimonio sociale*. In European Federation for Freedom of Belief (ed.). *Diritto e libertà di credo in Europa. Un cammino difficile*. Pisa: Pacini Editore, 2018.
8. Giorda, Maria Chiara, Luca Bossi, and Elena Messina. *A tavola con le religioni (nella ristorazione collettiva)* Rome: Carocci, 2014.
9. Guolo, Renzo. Islam e scuola pubblica: orientamenti di genitori di religione islamica in Piemonte. *Ricerche di Pedagogia e Didattica*. 4: 2 (2009). 1-16.
10. http://cphpost.dk/news/national/handshake-refusal-continues-to-stoke-debate.html/
http://espresso.repubblica.it/inchieste/2015/04/08/news/islam-contro-la-promiscuita-io-educo-i-miei-figli-a-casa-1.207228/
11. https://dejure.org/ext/016b487654b22eb9793998c37eb2da74/
12. https://lenews.ch/2016/04/05/muslim-school-pupils-exemption-from-handshaking-causes-a-stir-in-switzerland/
13. https://www.baselland.ch/
14. https://www.bverwg.de/110913U6C25.12.0/
https://www.dailymuslim.it/scuola-no-alle-classi-miste-mamma-musulmana-non-vuole-promiscuita-in-palestra/
15. https://www.ilmattino.it/primopiano/esteri/svizzera_scuola_esonera_alunni_musulmani_da_stretta_di_mano_con_insegnante-1650276.html/
16. https://www.ilmessaggero.it/scuola/scuola_musulmani_rifiuto_classi_miste-4135136.html/ ;http://espresso.repubblica.it/inchieste/2015/04/08/news/islam-contro-la-promiscuita-io-educo-i-miei-figli-a-casa-1.207228/
17. Jane McGee & Ken Hardman. Muslim schoolgirls' identity and participation in school-based physical education in England. In Sport Logia: 8 (2012). Tansin Benn & Gertrud Pfister. Meeting needs of Muslim girls in school sport: case studies exploring cultural and religious diversity. *European Journal of Sport Science*. 5 (2013).
18. Kristin Walseth & Ase Strandbu. Young Norwegian-Pakistani women and sports: how does culture and religiosity matter? *European Physical Education Review.* 4 (2014).
19. Maria Rita Vittori. *Famiglia e intercultura*. Bologna: Emi, 2003.
20. MIUR circular no. 2 of 8 January 2010 with guidance and recommendations for the integration of pupils of non-Italian citizenship.

21. Orioles, Marco. *E dei figli, che ne facciamo?: l'integrazione delle seconde generazioni di immigrati*. Rome: Arcana, 2015.
22. Perillo, P., and Fabrizio Manuel Sirignano. *La scuola delle culture*. *Riflessioni pedagogiche situate*. Lecce: Pensa Multimedia Editore, 2019.
23. Presidential decree (D.p.r.) no. 722 of 10 September 1982, Implementation of directive (EEC) no. 77/486 relative to the education in schools of children of immigrant workers.
24. Ricerca, Francesco Profumo. *Indicazioni nazionali per il curricolo della scuola dellinfanzia e del primo ciclo di istruzione*. Firenze: Le Monnier, 2012.
25. Sandra Chistolini. L'antirazzismo in Italia e Gran Bretagna. Uno studio di educazione comparata. Milan: Franco Angeli, 2000.
Tansin Benn, Symeon Dagkas & Haifaa Jawad. Embodied faith: Islam, religious freedom and educational practices in physical education. *Sport, Education and Society*. 1 (2011).

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(1), 14-25

Philosophical and Spiritual Experience of Ultimate Reality: Analyzing *Ghazālī's* Methodology with reference to Contemporary Religious Research Paradigm

Muhammad Zulqarnain (PhD)*[1], Prof. Nabil Fauli Mohammad (PhD) **

*Department of Aqeedah & Philosophy, Faculty of Usuluddin, IIUI

**Professor, Faculty of Islamic Studies, Sultan Mohammad Al-Fatih University, Istanbul, Turkey

Keywords

Islam, Philosophy, Spiritualism, Ultimate Reality, *Al-Ghazālī*

Zulqarnain, M., and Mohammad, N. F. (2020) Philosophical and Spiritual Experience of Ultimate Reality: Analyzing al-Ghazālī's Methodology with reference to Contemporary Religious Research Paradigm. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(1) 14-25.

© 2020 AUJIS. All rights

Abstract: *This academic work encompassed a panorama of philosophical and spiritual experience of ultimate reality with respect to methodology of Abū Ḥāmid Ghazālī. The systematic review of literature concluded that Ghazālī employed the rational and spiritual techniques to accomplish the ultimate truth. The research determined that he in the beginning of his journey, believed in two ways (logic & path of Sufis) to accomplish truth but later found that ultimate reality could only be attained by mystical experience which directly means to purify the lower self. Moreover, he shared his experience and opened a gateway for further research by providing rational foundations for mystical experience. The study in this context, presented a nexus between his methodology and contemporary research paradigm. Analytical research method was employed for the collection and analysis of data.*

[1] Corresponding author Email: zulqarnain4386@gmail.com

C Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and

Introduction

The quest of truth is as old as the philosophy itself is. Socrates and Plato began to search truth and laid the foundations for syllogism and geometry. They thought that they could prove the knowledge by proving the geometric deductions for which Aristotle used the logic but later found tiny cracks in his perfect system. While looking from Islamic perspective, we find the roots of reality in the Holy Qur'ān in a very unique dimension as the Holy Qur'ān stated that:

> *"And worship your Lord until there comes to you the certainty."*[1]

Allama Iqbal stated that academically, the search for the rational foundations in Islam might have begun by the Holy Prophet (ﷺ) as he used to prayer continuously: "God! Grant me knowledge of the ultimate nature of things."[2]

In Islamic history of philosophy, *Ghazālī* was the first philosopher who paid such special attention towards the ultimate truth and made it a particular subject in the discipline of philosophy. He applied several methods and techniques in order to accomplish the state of ultimate truth. The research therefore intended to uncover his rational and mystic experience in quest of truth. In this context, the basic aim of this research was to (a) explore the Philosophical and Spiritual Experience of Ultimate Reality,(b) analyses methodology of *Ghazālī* for the quest of ultimate truth, (c) find out the relevance of *Ghazālī*'s methodology with Contemporary Research Paradigm. A brief sketch of *Ghazālī*'s life is given below in table 1.

1- Al-Qur'an, 15: 99.
2- Allama Iqbal, The reconstruction of religious thought in Islam (Moscow: Dodo Press, 1930), 2.

A Glance at *Ghazālī's* life

Name	*Abu Hāmid Muhammad bin Muhammad al-Ghazalī*
Birth	450/1058, Tus, a city in *Khrāsān*, in Persia
Education	Early education in hometown and higher education in Neshapur from al-Juvayni (419-478AH) who earned the title of Imam al-Haramayn.
Title	*Hujjat ul Islam* (Proof of Islam)
Position	He was appointed as a chief professor by *Seljūq* vizier (*Nizām al-Mulk*) in the *Nizāmiyah* College of Baghdad in 484/1091.
Master piece	***Iḥyā ulūm al-dīn*** (the Revival of the Religious sciences)
Expertise	Philosophy, Theology, Sufism, Jurisprudence, Objectives of Shariah
Death	He passed away in 505/1111 in the age of 55.

Table: 1

Literature Review

Ghazālī was essentially a theologian, a mystic and a jurist, fought sharply against each sect to in quest of truth. He gave an ample amount of time and effort to attain the errorless knowledge. He described in his auto-biographical work: *Almunqidh min al-dalāl* (Deliverance from Error), how much he suffered in seeking certain knowledge and truth in general (*Ghazālī*, 1340 A.H). *Ghazālī* was in quest of a method to achieve certain knowledge which he found in logic. It was an objective method and could be applied to every branch of knowledge. He also considered that there was another method or way to achieve certain knowledge, but that was subjective and only a few people could achieve certain knowledge by this way, i.e. the way of true Sufis.[3]

Inquiring things and reaching the reality by rational proofs was the nature of *Ghazālī*. He never accepted any idea, thought and dogma without

---

3- Azmi T. *al-Sayyed Ahmad, Al-Ghazālī's* views on logic (UK: PhD Thesis at University of Edinburgh, 1981), 61.

rational or empirical proof. He writes about this quality that he was so eager in the quest of knowledge and real understanding of things. He was bestowed this quality in his instinct by Allah Almighty and not by his own effort or choice.[4] One can see his quest for truth that once he had a heart attack due to getting confused in a matter of knowledge and could not talk for a long time.[5]

To accomplish the goal of certainty, he studied the human nature when he tried to differentiate the natural beliefs and the beliefs which are imposed on an individual by external impact whether from his parents, teachers or society. He argued with the hadith of Holy Prophet (PBUH) that:

«ما من مولود إلا يولد على الفطرة[6] وفى رواية: ما من مولود يولد إلا على الملة [7] فأبواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه» [8].

"Every child is born on nature (with a true faith of Islam i.e. to worship none but Allah Alone) and his parents convert him to Judaism, Christianity or Magianism".

Ghazālī in this connection, tried to investigate the factors which make a man unbeliever weather he has born at *Fitrah* which is Islam according to above mentioned Hadith of Holy Prophet (PBUH). He wrote that i realized an internal quest of knowing the meaning of nature "*Fitrah*" and beliefs which were developed by the parents and teachers. He started analyzing these beliefs critically.

By careful review of literature, Ghazālī's journey for the search of

---

4- Al-Ghazālī, *al-Munqidh min al-Dalāl*, translation: Richard J. Mccarthy (Beirut: American University of Beirut, 1980), 3.

5- Ibid, 20.

6- *Muhammad b. Isma'il al-Bukharī, al-Jami' al-Sahḥīḥ, Kitāb ul Janāiz, Bāb manintaza hatta yudfan* (Beirut: *Dar tuqu Najah*, 1422 A.H), *Ḥadīth*: 1358.

7- Ahmad bi Hanbal, *al-Musnad* (Beirut: *Moassisah al-Risalah*, 199), *Ḥadīth*: 10241.

8- Muslim bin Hajjaj Neshapuri, *al-Jami' al-Sahḥīḥ, Kitāb ul Qadar, Bāb Mana Kulu Molūd*, (Beriut: *Dar Ihya ul Turāth al-'arabī*, n.d), *Ḥadīth*:2658.

truth could be wisely divided into three phases.

Development of Ghazālī's Thought

<u>Diagram:1</u>

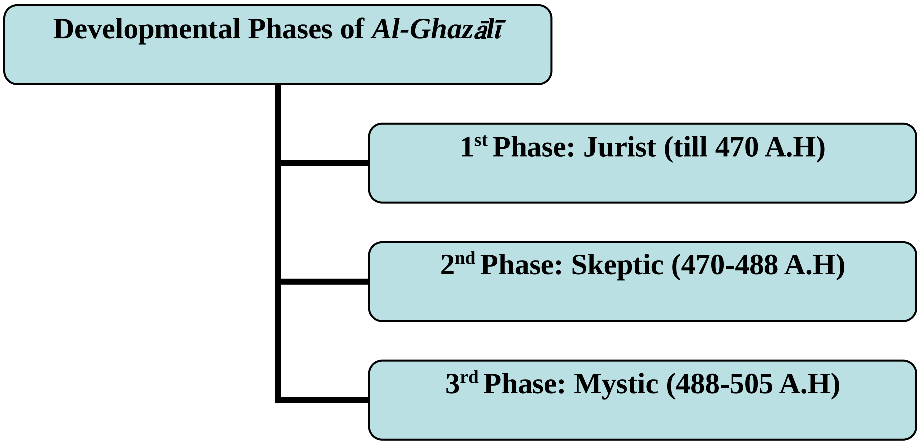

Firstly: Ghazālī started his academic career as a theologist and jurist. In this phase, he discarded his presuppositions and made himself impartial by getting rid of previous beliefs and then started to inquire the truth. He wrote about himself that he was daring in mounting from the lowland of servile conformism to the highland of independent investigation. Moreover "the fetters of servile conformism fell away from him, and inherited beliefs lost their hold on him, when he was still quite young".[9]

Secondly: From the age of twenty, he started to "scrutinize the creed of every sect and seek to lay bare the secrets of each faction's teaching with the aim of discriminating between the proponent of truth and the advocate of error, and between the faithful follower of tradition and the heterodox innovator".[10] He remained in the state of skepticism for two months and could not solve this mystery as he wrote that "During that time I was a skeptic in fact, but not in utterance and doctrine. At length

---

9- *Al-Ghazālī, al-Munqidh min al-Dalāl*, 3.
10- Ibid, 2.

God Most High cured me of that sickness." Now he relied upon the reasoning with certainty not by constructing the proof but by the effect of a light which Allah Almighty cast into his breast.[11]

<u>Thirdly</u>: He started to practice mysticism. He travelled a lot and practiced the traditional mysticism. In this period, he also wrote his master piece "Ihya ulum al-din" (the revival of religious sciences).

Trial of Existing Schools of Thought

<u>Diagram: 2</u>

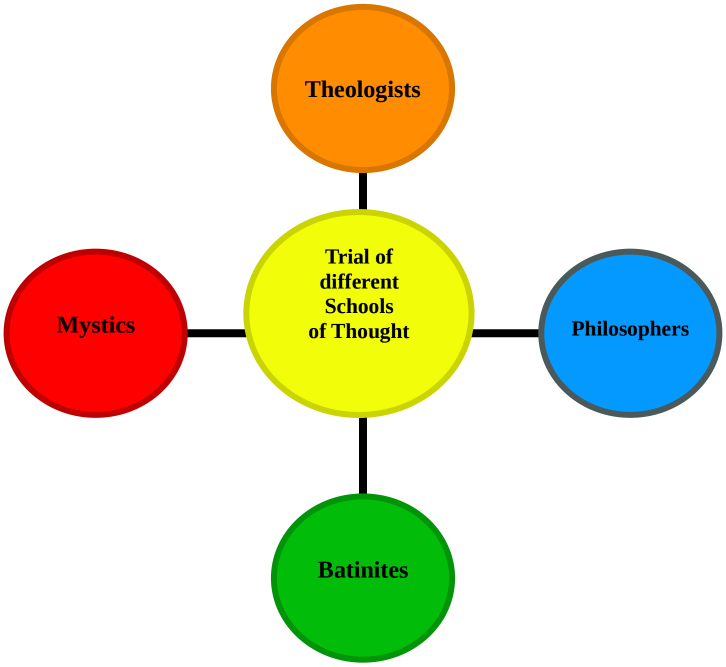

11- Ibid, 5.

When *Ghazālī*'s ailment was cured, he once again started his mission and assumed that the "categories of those seeking the truth were limited to four groups":

1. The *Mutakallimīn*, who allege that they are men of independent judgment and reasoning.

2. The Philosophers, who maintain that they are the men of logic and apodictic demonstration.

3. The *Batinīs*, who claim to be the unique possessors of *al-ta'līm* and the privileged recipients of knowledge acquired from the Infallible *Imām*.

4. The Sufis, who claim to be the familiars of the divine presence and the men of mystic vision and illumination.

After making these four categories, Ghazālī took all of them on trial one after another. He started to inquire the foundations of their beliefs, methodology, and compatibility of their claim with the truth. He keenly examined the science of *Kalām*, the way of philosophy, teachings of *Batinīs*, and finally the path of Sufis respectively. [12]

Analysis of Existing Religious Schools of Thought

Ghazālī began with the science of *Kalām* and found that *'Ilm-e-kalām* was invented to preserve the creed of orthodox and to save from the confusions created by innovators. Moreover, it was adequate to fulfill its own aim, but not for him. During his ciriticism on *'Ilm-e-kalām*, Ghazālī determined that the theologians accepted the premises either by uncritical acceptance or due to the public consensus. Most of them were engaged to expose the inconsistency of their adversaries. For that the *Kalām* did not

---

12- Ibid, 5.

fulfill his requirement as it could not be the cure of his ailment. Furthermore, it had no ability to dispel the darkness due to bewilderment about the differences dividing men".[13]

After finishing the task of *'Ilm-e-kalām*, *Ghazālī* started to study philosophy without taking help from someone and became expert in less than two years. He critically studied philosophy about three years and became so familiar with the measure of its deceit and deception, and its precision and delusion, that he had no doubt about his thorough grasp of it. Furthermore, he found that the discipline of philosophy has several divisions. Despite this diversity in classification, all of them had the stigma of unbelief and godlessness. After dealing with the discipline of philosophy *Ghazālī* pointed out its errors and found it inadequate for himself as it could not satisfy him. *Ghazālī* has also written a particular book on the inconsistencies of philosophy named "Incoherence of philosophy (*Tahafat-ul-Falasifa*)" in which he took 20 issues about which Muslim philosopher fell into delusion. He criticized the methodology of the philosopher where in logic they bring together, for apodictic demonstration, and conditions known to lead undoubtedly to certain knowledge. But when, in metaphysics, they finally come to discuss questions in connection with religion, they cannot satisfy those conditions, but rather are extremely slipshod in applying them. After getting aware of ups and downs in philosophy he demonstrated its contradictions and argued that "it cannot assure the truth because it does not produce certainty".[14]

After examining the creed of philosophers, he took *Ahl-e-T'alūm* on trial and showed the wrongness of their dogmas which he had also mentioned in several books: al-*Mustāzhir*; The Proof of the Truth, The Detailed Exposition of the Disagreement, *al-Durj al-marqūm bil-jadāwil*, and The Correct Balance. He, after studying the beliefs and main tenets of *Ahl-e-T'alūm*, established that *Ta'limites* have no cure which saves anyone

13- Ibid, 6.
14- Syed Hussain Nasr, *Al-Ghazālī*, Encyclopedia of Islamic Philosophy (Lahore: Suhail Academy, 2002), 258.

from the darkness of conflicting opinions. They were incapable of having a sound proof for the existence of infallible *Imām* from whom they take guidance. When *Ghazālī* asked several questions to *Batinīs* about infallible ’*Imām* they could not answer a single question and referred him to the hidden *Imām* by saying that: “There is no alternative to make the journey to him.” In fact they wasted their time and lived in search of infallible *Imām* but could not get anything. [15]

Finally, *Ghazālī* started his journey on the path of Sufis. Allama Iqbal wrote about the experience of *Ghazālī* that his finding no hope in analytic thought, moved to mystic experience, and there found an independent content for religion (Iqbal, 2009). He found that Sufis’ path is combination of theory and practice as they do only focus not upon knowledge but equally on actions. The core objective of their knowledge was the purification of lower self from wrong wishes and desires and to get rid of disgraceful habits in order to attain spiritual purification. For this, Ghazālī consulted the famous books of mysticism, such as The Food of Hearts by *Abu Tālib al-Makkī (d. 998 A.D)*, writings of *al-Ḥārith al-Muḥāsibī, al-Junaid (d. 857 A.D), al-Shiblī (d. 946 A.D), Abu Yazīd al-Bistamī (d. 874 A.D)*, and others of their masters. After studying the literature of Sufis, it was exposed to him that the objective of Sufis cannot be accomplish by study only, but rather by experience, state of ecstasy and the exchange of qualities. (16) He, knew without any doubt that there is an immense weight of practicing knowledge to achieve the state of certainty as he argued with the tradition of Holy Prophet (ﷺ):

"من عمل بما علم، أورثه الله علم ما لم يعلم"

“Who will act upon his knowledge, God will bestow him such knowledge which he does not know”.[17]

15- *Al-Ghazālī, al-Munqidh min al-Dalāl*, 17.

16- Ibid, 18.

17- *Abu Noaem, Ḥilyat ul ’Auliyā*, (Cairo: *Dar ul ‘Ilm*), 14-15; *Ibn e Tamiyya, al-’Imān*, (Barut: *Al-Maktab al-Islamī*, 1993), 123.

In this connection he changed his way of living, spent about ten years on the path of Sufis and knew with certainty that Sufis followed the path of Allah, their way of live is the best amongst all categories, they are on the right and direct path, their ethics are best and no one can compete them in terms of intellect, wisdom and ethics. Due to the purification of soul, they attain certain and errorless knowledge and see the angels and souls of prophets, hear voices coming from them and learn the knowledge of useful things from them.[18] Perhaps *Ghazālī* made a unique and matchless contribution in the field of Islamic mysticism by observing, criticizing, analyzing and laying rational foundations for mysticism by breaking the concept of blind following in Islamic tradition. He presented the series of arguments with respect to ʿ*aqal* and *naql* to prove the validity and authenticity of Sufis' goals, their methodology, and multidimensional effects on mind, spirit, morality and other aspects of life.

Research Methodology

According to the nature of subject, descriptive and qualitative research method was employed for collection and demonstration of data. Qur'ānic verses and traditions of Holy Prophet (ﷺ) were also quoted to endorse the argument. Primarily, the famous book of *Ghazālī* "*al-Munqid min Dalāl*" was consulted in which he has explained different phases of his journey for the quest of truth. Moreover, secondary sources including research papers, theses, periodicals, were also pulled in as a supportive material which helped in leading towards conclusions. Relevant literature was also taken from Internet after careful assurance of its validity and authenticity. Tables and diagrams were drawn where required.

Conclusions

In the light of cited literature, the study established that *Ghazālī* made extreme efforts and utilized his maxim potential in the quest of truth and certain knowledge. He faced numerous obstacles and challenges but

---

18- *Al-Ghazālī, al-Munqidh min al-Dalāl,* 21.

he had not felt shame and disappointed at any stage. Every challenge made him more powerful and gave him a new spirit to do his task efficiently. In his journey in the quest of truth, first he got rid of presuppositions, later studied prevailing schools of thought of his time and critically analyzed their main tenets and doctrine. *Ghazālī* research for the attainment of certainty was not limited to a particular class but he extended the scope of his research to every educated class including *Mutakallimīn*, philosophers, *Bātinīs*, Sufis, worshipers, and even to irreligious nihilist. He, after ten years of research established that Sufis are the only people who have certain and errorless knowledge and they are most pious and intelligent on the surface of the earth. Moreover, certain and error free knowledge can only be accomplished by following the path of Sufis and rest of the ways are failed in this regard. *Ghazālī*'s work is very unique from others in a way that he provided rational foundations for the mystical experience, uncovered the methodology of Sufis, revealed benefits he received during his experience, and disclosed superiority and different levels of their knowledge.

Recommendations

By keeping in view the above findings and conclusions the study found that there is a strong relevance of methodology of *Ghazālī* with contemporary paradigm of research. In this connection, following few points are given below;

- The research should not be conducted only on the basis of literature but it is also important to observe on ground practices by taking in consideration existing patters of thought and behaviour.

- Both: theoretical and practical approaches should be employed into research and these must be applied and objective.

- The researchers should be the symbol of passion, sympathy, and humbleness. Furthermore, they should take guidance from the attitude of *Ghazālī*, face every challenge bravely in the quest of

truth and must not give up in any situation. Moreover, they should utilize their utmost energy to improve the quality of work and get accurate results.

- The researcher should spare himself from all kinds of presuppositions and be impartial from beginning to the findings and conclusions.

- Last but not least, it is very important to work from the rational point of view on the mystical experience as *Ghazālī* laid foundations for it.

Bibliography:

1. Al-Qur'ān
2. Allama Iqbal. *The reconstruction of religious thought in Islam*. Moscow: Dodo Press, 1930.
3. *Ahmad bin Hanbal. al-Musnad.* Beirut: *Moassisah al-Risālah*, 1999.
4. *Abu Ḥamid Al-Ghazālī. al-Munqidh min al-Dalāl* (translated by Richard J. Mccarthy). Beirut: American University of Beirut, 1980.
5. Azmi, T. al-Sayyed Ahmad. *al-Ghazālī's views on logic.* UK: PhD Thesis at University of Edinburgh, 1981.
6. *Ibn e Tamiyya, al-'Imān*. Barut: *Al-Maktab al-Islamī*, 1993.
7. *Bukhari, Muhammad bin Ismā'īl, al-Jami' al-Sahḥīḥ*. Beirut: *Dar tuqu Najāḥ*, 1422 A.H.
8. Neshapuri, Muslim bin Hajjaj, *al-Jami' al-Sahḥīḥ*. Beriut: *Dār Iḥyā ul Turāth al-Arabī*, n.d.
9. Nasr, Syed Hussain. *al-Ghazālī*: *Encyclopedia of Islamic Philosophy*, Lahore: Suhail Academy, 2002.

Biannual

Al-'Ulūm

Journal of Islamic Studies (AUJIS)

Volume: 1 **Issue: 1**

January-June: 2020

ISSN: 2709-3492(Online)
2709-3484(Print)

Al-Karam International Institute
Anjuman Taleem-ul-Muslimeen Ghousia,
Bhera, Sargodha, Pakistan

Price: Domestic PKR 1000/=Foreign $ 70/=

Ph: +92-48-6690569/333-4441957

E-mail: editoralulum@gmail.com, Website: www.alulum.net

Patron in-Chief:	**Pir Muhammad Amin ul Hasanat Shah** Chairman Anjuman Taleem ul Muslimeen, Bhera, Sargodha, Pakistan
Chief Editor :	**Dr. Abu ul Hasan Muhammad Shah Al-Azhari** Chairman Dep. Islamic Studies, Al-Karam International Institute, Bhera,
Managing Editor	**Dr. Muhammad Ajmal Farooq**
Editor :	**Dr. Syed Muhammad Abdul Rehman Shah** Member, Board of Studies, Al-Karam International Institute, Bhera,
Co Editors :	**Dr. Najmuddin Kokab Hashmi** (Urdu) **Muhammad Naeemuddin Al-Azhari** (Arabic) **Muhammad Umar Rabbani** (English) **M. Abubakar Siddique & Sajjad Husain** (Technical)

Advisory Board

International

Prof. Dr. Ibrahim Muhammad Ibrahim	(Egypt)
Prof. Dr. Nabil Foli	(Turkey)
Dr. Musharraf Hussain Al Azhari,	(UK)
Dr. Khoshtar Noorani	(USA)
Dr. Muhammad Modassir Ali	(Qatar)
Dr. Bassir Abdelmughite	(Morocco)
Prof. Syed Lakht Hasnain Shah	(UK)
Dr. Muhammad Dawood Sofi	(India)

National

Prof. Dr. Muhammad Zia-ul-Haq	Prof. Dr. Azkia Hashmi
Prof. Dr. Abdul Quddus Suhaib	Prof. Dr. Muhammad Ejaz
Dr. Ghulam Shams ur Rahman	Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Dr. Atif Aslam Rao	Dr.Hafiz Hifazatullah

Introduction to the Journal

- ***Al-'Ulūm*** is an interdisciplinary peer-reviewed research journal on diversified aspects of society from perspective of Islam as a complete code of life.
- ***Al-'Ulūm*** fulfils the research requirements of Higher Education Commission (HEC) Pakistan. It includes Qur'anic and Hadīth Sciences, Biography of Holy Prophet, Islamic Theology, Islamic Jurisprudence, Comparative religions, Islamic Civilization, Interfaith Harmony, Islamic Economics & Business Ethics, Contemporary Issues in Islamic and Western Thoughts, and other topics which cover contents of Islamic studies in trilingual; **Urdu, English, and Arabic**.
- ***Al-'Ulūm*** shall be published twice a year (in June & December)
- ***Al-'Ulūm*** adopts double blind peer review process which means that both reviewers' and authors' identities are concealed from each other. Research articles submitted for publication in the journal are first screened by the editorial board which may reject manuscripts without further review if they do not meet the minimum criteria of the journal. At the next stage the manuscripts are subjected to double blind peer review by at least two experts of the field.
- ***Al-'Ulūm*** strictly follows thecriteria/guidelines devised by HEC for publication process and review**.**
- ***Al-'Ulūm*** adopts the decision of the Editorial Board regarding acceptance or rejection of the article that would be considered as final.
- ***Al-'Ulūm*** Editorial Committee reserves the right to recommend necessary amendments with minor/major changes or cancellation of the articles. Editor shall inform the writers with the opinion of the evaluators to incorporate the necessary changes if any.
- ***Al-'Ulūm*** declares that expression of the view-points of the respective author is his right. So every article is the sole responsibility of the writer, whilst Editorial Committee has no responsibility in this regard.

Guideline for Authors & Publication Policy

Research articles published in this journal are generally of 5,000-7,000 words (including foot-notes) and subject to initial editorial screening, double blind peer review by at least two experts of the field and further editorial review. It also occasionally publishes special issues dedicated exclusively to a particular theme.
The submission file is in Microsoft Word format. Submission should include an English abstract of approximately 250 words along with five key words.

• **Font Size and Style:** Single Space, Times New Roman, Normal text-12, Headings-14, Sub-Headings-12 in Italic, Foot notes-10.
Submissions must be in accordance with prescribed format of ***Al-'Ulūm*** that follows the Chicago manual of style for references, footnotes and citations.
In particular, please observe the following conventions for footnotes:
• **Reference from the Qur'an:** Source of Urdu or English translation of the Qur'anic verses must also be cited – Al-Qur'an, 3: 212
• **Reference from Classical *Hadīth* Compilations**
Muhammad b. Isma'īl al-Bukharī, ***al-Jāmi'al-Sahīh***, *Kitāb al-Zaba'ih wa al-Sayd, Bāb Aklu Kull Dhī Nab min al-Sibā'*(Riyadh: *Dar-us-Salam*, 1417 H), *Hadīth*: 5530.
• **Books** –Book with Single Author or Editor:
– Author(s) name(s), Book name (Place of Publication: Publisher, Year of Publication), xx.
For Example:

Dr. Khalid Manzoor Butt, Child Labour in Human Rights Perspective (Child Scavengers of Lahore) (Lahore: Sang-e-Meel Publications), 255. Jerel A. Rosati, the Politics of United States Foreign Policy (Belmont: Wadsworth, 2004), 17.
{Note: no punctuation after the book title}

• **Edited Books:** A book with an editor in place of an author includes the abbreviation ed. (editor; for more than one editor, use Eds.).
K. P. Misra, ed., Afghanistan Crisis (New Delhi: Vikas, 1981), 42. Shortened Form: Misra, Afghanistan Crisis, 54.
Entry in a Bibliography: Misra, K. P., ed. Afghanistan Crisis. New Delhi: Vikas, 1981.
• **Books with two authors**: For a book with two authors, note that only the first-listed name is inverted in the bibliography entry.

Geoffrey C. Ward and Ken Burns, The War: An Intimate History, 1941-1945 (New York: Knopf, 2007), 52. Entry in a Bibliography: Ward, Geoffrey C., and Ken Burns. The War: An Intimate History, 1941-1945. New York: Knopf, 2007.

• **Books with Three Authors:** Sue-Ellen Jacobs, Wesley Thomas, and Sabine Lang, eds., Two-Spirit People: Native American Gender Identity, Sexuality, and Spirituality (Urbana University of Illinois Press, 1997), 32. Shortened Form: Jacobs, Thomas, and Lang, Two-Spirit People, 65-71. Entry in a Bibliography:
Jacobs, Sue-Ellen, Wesley Thomas, and Sabine Lang, eds. Two-Spirit People: Native American Gender Identity, Sexuality, and Spirituality. Urbana:
University of Illinois Press, 1997.

• **Books with more than Three Author**s: Jeri A. Sechzer et al., eds., Women and Mental Health (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1996), 243.

Shortened Form: Sechzer et al., Women and Mental Health, 276. Entry in a Bibliography: For works by or edited by more than three persons, all names are usually given in the bibliography. Word order and punctuation are the same as for two or three authors

• **Books in more than one Volume:** Muriel St. Clare Byrne, ed., The Lisle Letters (Chicago: University of Chicago Press, 1981), 4:243.

• **Books in more than one Volume in Bibliography:** Pelikan, Jaroslav. The Christian Tradition: A History of the Development of Doctrine. Vol. 1, The Emergence of the Catholic Tradition (100-600). Chicago: University of Chicago Press, 1971.

• **Chapter in a Book:** Author(s) name(s), "Title of the Chapter," in Book name, ed. Editor(s) name(s) (Place of Publication: Publisher, Year of Publication), xx. Muhammad Usman Amin Siddiqi, "Examining Women Empowerment through Representation in Pakistan: Who Gets to Represent Whom?" in Exploring the Engagement and Empowerment of Women: Multidisciplinary Perspectives, ed. U. P. Sinha (New Delhi: Concept Publishing Company, 2015), 35–58.

M. Raziullah Azmi, "Pakistan-United States Relations: An Appraisal," in Readings in Pakistan Foreign Policy, 1971-1998, ed. Mehrunnisa Ali (Karachi: Oxford University Press, 2003), 227.

• Articles – Use author and article title as they appear on the first page of the article (if not in full there, then use Table of Contents version). If a full date is given on the journal, include it in this form: Author, "Title," name of Journal, city of publication, 25 (March, 2002): 74-76; if only a year is given, include the journal volume and number in this form: Author, "Title" Journal, city of publication, vol. 22, no. 3 (2002): 74-76.

• **Online Journals** Gueorgi Kossinets and Duncan J. Watts, "Origins of Homophily in an Evolving Social Network," American Journal of Sociology 115 (2009): 411, accessed February 28, 2010, doi: 10.1086/599247.
• **Websites** "McDonald's Happy Meal Toy Safety Facts," McDonald's Corporation, accessed July 19, 2008, http://www.mcdonalds.com/corp/about/factsheets.html.
• **Encyclopedia** CH. Pellat, "Hayawan," in The Encyclopedia of Islam, ed. B. Lewis, V. L. Menage, CH. Pellat and J. Schacht (Leiden: E. J. Brill, 1986), 3: 307.

Parts of the Article *Al-'Ulūm*

Article should contain the following parts

1. **Abstract**
   It should contain summary regarding research. Abstract must be written in English language. (Approximately 250 words) including five key words.
2. **Introduction**
   Introduction must include objective, methodology, distinctive characteristics of the research work and conclusion.
3. **Discussion**
   In this part of the article, author would present his views and research in detail.
4. **Conclusion**
   Conclusion should be presented in a logical sequence.
5. **References**
   References should be made according to the above mentioned guidelines
6. **Bibliography**
   Bibliography should be compiled at end of the article in Chicago Manual Style 16. If the article is in other than English language, the Bibliography should be in Roman English with font style "Book Antiqua" by using transliteration table.

Copyright Policy

It is a condition of publication in this journal that authors assign copyright or license publication rights of their articles to the Anjuman Taleem-ul-Muslimeen, Bhera (ATMB). This enables ATMB to ensure full copyright protection and to disseminate the article, and of course the journal, to the widest possible readership in print and electronic formats as appropriate. Furthermore, the authors are required to secure permission if they want to reproduce any figure, table, or extract from the text of another source. This applies to direct reproduction as well as "derivative

reproduction" (where you have created a new figure or table which derives substantially from a copyrighted source).

Submission of the Article

Submit your manuscript by the email: editoralulum@gmail.com for details about the journal please visit http://alulum.net/

TRANSLITERATION TABLE

Urdu				Arabic				Urdu Digraphs	
ا	a	ص	ṣ	ا	A	ف	F	بھ	bh
ب	b	ض	ż	ب	B	ق	Q	پھ	ph
پ	p	ط	ṭ	ت	T	ك	K	تھ	th
ت	t	ظ	ẓ	ث	Th	ل	L	ٹھ	t̠h
ٹ	t̠	ع	‘	ج	J	م	M	جھ	jh
ث	th	غ	gh	ح	ḥ	ن	N	چھ	ch
ج	J	ف	f	خ	Kh	و	W	دھ	dh
چ	ch	ق	q	د	D	ھ	H	ڈھ	d̠h
ح	ḥ	ک	k	ذ	Dh	ء	’	ڑھ	r̠h
خ	kh	گ	g	ر	R	ي	Y	کھ	kh
د	d	ل	l	ز	Z			گھ	gh
ڈ	d̠	م	m	س	S				
ذ	dh	ن	n	ش	Sh				
ر	r	ں	n̠	ص	ṣ				
ڑ	r̠	و	v	ض	ḍ				
ز	z	ہ	h	ط	ṭ				
ژ	z̠	ء	’	ظ	ẓ				
س	S	ی	y	ع	‘				
ش	sh	ے	y	غ	Gh				

Short Vowels (AR-UR)		Long Vowels (AR-UR)		Diphthongs			
				Arabic		Urdu	
ـَ	A	ـَى / ى	á	ـَوْ	Aw	ـَو	au
ـِ	I	ـَا / آ	ā	ـَيْ	Ay	ـَی/ـَے	ai
ـُ	U	ـِى	ī	ـَيّ	Ayy		
		ـُو	ū	ـِيّ	Iyy		
		ـَو	ō(ur)	ـُوّ	Uww		
		ـَے	ē(ur)				

- Letter (ء) is not transliterated when at the beginning.
- Article (ال) is transliterated as (al-), and as (’l) in construct form, whether followed by a moon or a sun letter.
- (ـة) is transliterated as (ah)in pause form and as (at) in construct form.
- (و) is an Urdu conjunction is transliterated as (o).

CONTRIBUTORS

Asghar Ali Khan (Ph.D.)
Assistant Professor, Mirpur University of Science & Technology MUST, Mirpur A.K
Abid ul Hassan
M.Phil Scholar, Mirpur University of Science & Technology MUST, Mirpur, A.K
Zia ul Rahman
Ph.D Scholar, University of Baluchistan, Quetta
Abdul Haq
Muntazim Jamiah,Fayuz ul Haramain, Quetta
Sahibzada Baz Muhammad (Ph.D.)
Chairman Department of Islamic Studies, University of Baluchistan, Quetta
Allah Ditta
Lecturer, Federal Government Degree College for Women Multan Cantt,
Muhammad Waris Ali (Ph.D.)
Assistant Processor, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore
Muhammad Ashfaq
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila,
FoziaAltaf
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila
Rizwan Yunus (Ph.D.)
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan
Abdullah Abubakar Ahmad al-Naijiri (Ph.D.)
Faculty of Shariah and Law, International Islamic University Islamabad, Pakistan
Muhammad Zulqarnain (Ph.D.)
Department of Aqeedah and Philosophy, Faculty of Usuluddin, International Islamic University, Islamabad, Pakistan
Nabil Fauli Mohammad (Ph.D.)
Professor, Faculty of Islamic Studies Sultan Mohammad Al-Fatih University, Istanbul, Turkey
Vasco Fronzoni (Ph.D.)
Professor (Muslim Law), University of Naples "L Orientale", Italy

EDITORIAL

The importance of Islamic sciences for progress, development, and prosperity even in the present age is undeniable. The sole purpose of *Anjuman Taleem-ul-Muslimeen Ghousia Bhera*, is to promote Islamic sciences along with social welfare. For the renaissance of the *Ummah*, it established Al-Karam International Institute to promote Islamic education with modern techniques. Hence, a bi-annually scientific and research journal ***Al-'Ulūm*** *Journal of Islamic Studies (AUJIS)* is being launched from this great platform in order to convey the scientific endeavors of the researchers in this great field of knowledge. The prime objective is to encourage research on imperative topics for humans with divine guidance to achieve the approval of Allah Almighty and Holy Prophet (PBUH).

Al-'Ulūm intends to present research on Islamic sciences such as *tafsīr, ḥadīth, jurisprudence, law, comparative religions, history, mysticism, ethics, human psychology, educational pedagogy, politics, economics, Islamic finance* and other social sciences. Further, ***Al-'Ulūm*** will break the current intellectual stagnation and perfume hearts and minds by becoming a fresh breeze of divine thoughts to deal with the poison of ignorance, extremism, racism, naturalism, materialism, capitalism, communism, and atheism. ***Al-'Ulūm*** will also play its role in bringing to the society the great scientific and research capital of those involved in Islamic research all over the world. Alhamdulillah, the basis of our research methodology is the Quran and the Sunnah to frame the complex issues in divine matrix for solution.

At present, research journals are of utmost importance in the promotion of education and research in various fields. In view of this importance, the Higher Education Commission (HEC) Pakistan has made research journals an important criterion for assessing the quality of research in educational institutions and has set regular rules and regulations for this purpose. Recently, HEC has introduced HEC Journal Recognition System (HJRS) to create such a "recognition and reward ecosystem" where "high quality research" can be rewarded and promoted. HJRS categorizes the registered journals into three different categories – W, X and Y -- within their respective knowledge areas on the basis of a number of internationally bench marked and recognized parameters that measure the quality of a journal. The relative position and category of each journal is computed by a propriety algorithm that is designed with the objective of promoting quality research across various disciplines.

By the grace of Allah, the same HEC's principles have been considered in all the research papers received by ***Al-'Ulūm***. These manuscripts are reviewed at both national and international levels. These articles are the result of the diligence of researchers in various fields of knowledge and research. The current issue of ***Al-'Ulūm*** has been standardized according to the policies of HJRS. In accordance with the recommendations of HEC, the website of ***Al-'Ulūm*** www.alulum.net has been launched with necessary information for regulators and contributors.

The trilingual scientific and research journal ***Al-'Ulūm*** is committed to publish articles on all aspects of Islamic sciences and to create a better position in scientific journals at the international level. We pray to Allah Almighty to make this scientific and research magazine successful to achieve the heights of quality with best performance.

Dr. Abul Hasan Muhammad Shah Al-Azhari
Chief Editor
Al-'Ulūm **Journal of Islamic Studies**
Al-Karam International Institute,
Bhera, Sargodha, Pakistan

ISSN
Online: 2709-3492
Print: 2709-3484
www.alulum.net

Bi-annual

AL-'ULŪM

JOURNAL OF ISLAMIC STUDIES (AUJIS)

Volume 1, Issue 1 (January-June 2020)

Al-Karam International Institute
Anjuman Taleem ul Muslimeen Ghausia
Bhera, District Sargodha, Pakistan

العلوم
AL-'ULŪM (AUJIS) 1 (1) (January-June 2020)